

اس شمارہ میں

سُرپرست

## حضرت مولانا بلال عبد الحسن ندوی

(نظم ندوة لعلماء الكھنوت)

مایر مسیون

## • معاون مدير •

## ٥ مجلس مشاورت

فقار مکن مختتم! عہد نہ خاتا کا سالانہ زر تعاون ذمیں دے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER F HAYAT

A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)  
IFSC Code : SBIN0000125 - Swift Code : SBINNB157

## State Bank of India, Main Branch, Lucknow

## تامیف روزگار و سبک حیات

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406  
website : <http://tameerehayat.com> - email : tameer1963@gmail.com

ڈاٹ ٹھیکیری جیات کے نام سے ہائی اور فریقہ جیات مددوں اعلیٰ اکاؤنٹ کے پرروانہ کریں۔ جیک سے بھی جانے والی رقم مراجعت اور ادائیگی، ہبہ، ہبہوت دیگر = 30/- روپے جو کسی دلی۔ یا کوہ مار کا دلی۔ رکھیں۔

آپ کل خریداری بہرے کے نیچا گر سرنگ لکھ رہے تھے۔ بھیں کہاں کا پکار تعاون ختم ہو چکا ہے، لہذا جلدی عزیزانہ اسال کریں۔ اور مگر آئندہ کوئوں کو، رہائش خانہ مداری کمپنی پر وکھترے اور باقاعدہ ایسا کام کیا رہا۔ انہیں اور اس کے ساتھ رہن کو کوئی لکھتے نہیں۔ (نیچے جست حالت)

پر نئر پبلش محمد لٹا اٹھر نے آزاد پرنگ پر لیں، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر چات مجلس صحافت و نشریات بیگو مرگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

# عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

اثر یہ بھی ہے اک میرے جنوں فتنہ سامان کا  
 مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دانوں میں  
 رُلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستان ! مجھ کو  
 کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں  
 دیا رونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا  
 لکھا کلک ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں  
 نشان برگِ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں چھیں !  
 تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں  
 چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے  
 عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں  
 سن اے غافل صد امیری ! یہ ایسی چیز ہے جس کو  
 وطن کی فکر کر ناداں ! مصیبت آنے والی ہے  
 وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طاڑ بوستانوں میں  
 ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہورتا ہے ، ہونے والا ہے  
 تری بر بادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں  
 یہ خاموشی کہاں تک ؟ لذتِ فریاد پیدا کر !  
 دھرا کیا ہے بھلا عہدِ کہن کی داستانوں میں  
 نہ سمجھو گے تو مت جاؤ گے اے ہندوستان والو !  
 زمیں پر تو ہو ، اور تیری صدا ہو آسمانوں میں  
 تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں  
 یہی آئینہ قدرت ہے ، یہی اسلوبِ فطرت ہے  
 جو ہے راہِ عمل میں گامزن ، محبوبِ فطرت ہے



# ریسپ پوداہی کی لگائی ہوئی ہے

## شم الحق ندوی

۱۴۳۵ھ کا آغاز ہو چکا ہے، وہی رحمت عالم، سراپا اخلاق و محبت، فقیروں کے ملبا، ضعیفوں کے ماوی، قلاموں کے مولیٰ، جو طائف کے نوجوان اور باشوق کی سنگ باری کے جواب میں بددعا کے بجائے یہ دعائیہ الفاظ:

اللہی فضل کر کہ سار طائف کے مکینوں پر  
اللہی پھول برسا پھروں والی زمینوں پر  
کیا کسی پھر دل کی آنکھوں سے اس سراپا رحمت کی زبان سے یہ سن کر آنسونہ پپک پڑیں گے۔

وہی جس کے جسم اطہر پر اس کعبہ کے اندر جس میں خود کفار مکہ کسی کوستانا حرم سمجھتے تھے، عین سجدہ کی حالت میں، اونٹ کی او جھوڑ کر سردار ان قریلش ان کی ہنسی اڑا رہے تھے، وہی جس نے اپنے جانی دشمن ابوسفیانؓ کو امان دے دی، وہی جس نے اپنے محبوب چچا حضرت حمزہؓ کے اعضاء کاٹ کر ہار بنا کے پہنچنے اور کلیجہ چبائے والی ہندگہ کو معاف کر دیا، وہی جس کی راہ میں کائنے بچھائے جاتے تھے، وہی جو گالیاں سن کر دعا میں دیتا تھا، وہی جس نے مکہ چھوڑتے وقت کعبہ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا تھا: مکہ تو مجھ کو تمام دنیا سے عزیز ہے، لیکن تیرے فرزندِ مجھ کو رہنے نہیں دیتے۔ مدینہ پہنچ کر اپنے انصار اور مہاجر ساتھیوں میں ٹھہر جاتا ہے، اور اسلامی معاشرہ کی داغ بیل پڑتی ہے جس میں ہر ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے، اس کے ذکر درد میں کام آتا ہے، پورا معاشرہ ایک جنم کی طرح ہوتا ہے، ہر ایک دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہے، اور اس کی دلداری کرتا ہے، اس معاشرہ میں وہ جو دوسروں کا مال اپنا مال سمجھتے تھے، اب وہ اپنا مال دوسروں کا مال سمجھنے لگے جن کو دن کی روشنی میں لوگوں کا مال لوٹ لینے میں باک نہ تھا وہ رات کی تاریکی میں شاہ ایران کا تاج زریں جو لاکھوں روپے کی مالیت کا تھا، اپنے کبل میں چھپا کر امیر کے پاس پہنچا دیتا ہے۔

اس معاشرہ میں شریفانہ انسانی خصال کا چلن ہوا، پاکیزہ سیرت و کردار اور پیار و محبت کی ایسی بہار آئی کہ حقوق طلبی کے بجائے فرض شناسی اور حرص ولائج کے بجائے ایثار کا ایسا شوق و جذبہ پیدا ہو گیا تھا کہ:

”يُوْثُرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةً“ (خواہ وہ کتنے ہی ضرورت مند ہوں، دوسروں کو اپنے پر ترجیح دیتے ہیں) یہ سب کچھ کرشمہ تھا اس رحمت عالمؐ کی ان قربانیوں، صبر و ضبط، حلم و برداہی، اور انسانیت کی چارہ سازی کے لیے گھر بار، کنبہ و خاندان، سب کچھ قربان کر دینے کا اور شرک و بت پرستی میں ڈوبی دنیا میں اس صد اکا کہ: ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تُفْلِحُوا“ (لوگو! کہو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں کامیاب ہو جاؤ گے)، اے اللہ سے بھاگنے والو! اللہ کی طرف بھاگو اور اس کے سوا کسی کو معبود نہ بناؤ، میں اس کی طرف سے تم کو ڈرانے والا ہوں۔

کفار قریلش نے اس سرور عالمؐ کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، ان کی دعوت کے عام ہو جانے اور عالمی پیانے پر دنیاۓ انسانیت میں اس زبردست تبدیلی کے باوجود جس میں صدیوں کی دکھلی انسانیت کو سکون و چین نصیب ہوا، اور کہنے والے نے کہا:

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے  
یہ سب پو اپنی کی لگائی ہوئی ہے

ان سے عداوت و شتمی کا سلسلہ ان پوری ساڑھے چودہ صدیوں میں برابر جاری رہا ہے، نئے نئے ابو لہب و ابو جہل آتے رہے ہیں:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز  
چراغِ مصطفویٰ سے شرار بولہی

لیکن اس جان بہاراں کے فدائیوں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا، وہ اس کی محبت و فدائیت میں سرشار رہتے ہیں، اپنی بہت سی کوتا ہیوں کے باوجود یہ کہنے میں ان کو باک نہیں ہوتا اور اس طرح اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرتا ہے:

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ یثرب کی عزت پر  
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

شاعر رسول حضرت حسان بن ثابت نے کہا ہے:

## ان اب دی والدہ و عرضی

# لِعَرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وَقَاءٌ

(ہماری عزت، ہمارے پاپ دادا کی عزت سب محدثین کی عزت و آبرو کے لیے ڈھال ہے)۔

یہی وہ جذبہ محبت ہے جس کی دبی ہوئی چنگاری اپنے وقت میں بھڑک کر اس کو شعلہ جوالہ بنادیتی ہے، اور ”لا یؤمن أحد کم حتیٰ أکون احباً لیه من والدہ و ولدہ والناس أجمعین“ کا کرنٹھ سامنے آ جاتا ہے، یعنی تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں جب تک میں اس کو اس کے مال و اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

ایک صاحب نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے پوچھا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے لیے اولاد سے زیادہ اپنی محبت کو شرط نٹھبریا ہے، اور مجھے تامل ہے کہ کیا واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میری محبت میری اولاد سے بڑھ کر ہے؟ حضرت تھانویؒ نے فرمایا یقیناً اولاد سے بڑھ کر ہے، پھر ان سے پوچھا گرتے ہمارا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں (نحوذ باللہ) بے ادبی کے الفاظ استعمال کرے یا برا بھلا کہے تو کیا کرو گے؟ وہ صاحب کہنے لگے کہ اگر اس نے ایسا کہا تو میں اسے ذبح کر دالوں گا، حضرت تھانویؒ نے فرمایا: تمہاری یہ بات دلیل ہے کہ تمہارے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تمہاری اولاد سے بڑھ کر ہے۔ آقائے مدینی کے عاشقوں کی زبان بھی اس طرح کھلتی ہے اور عشق و محبت کے ترانے اس طرح فضا میں گونجتے ہیں، کوئی اپنی تمہنا اور محبت اس طرح بیان کرتا ہے:

تمنا ہے درختوں پر ترے روپہ کے جا بیٹھے  
نفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

یہ مشہور شاعر شہیدی کا شعر ہے۔ سابق ناظم ندوہ العلماء مولانا حکیم عبدالحی حنفی رائے بریلویؒ اپنی کتاب ”گل رعناء“ میں لکھتے ہیں کہ: وہ حج ادا کر کے مدینہ منورہ جار ہے تھے تو راستہ ہی میں بیمار پڑے اور جب اس مقام پر پہنچ چہاں سے روپتہ اطہر نظر آتا تھا، ایک حسرت ناک نظر اس پر ڈالی اور طاہر روح قفس عضری سے پرواز کر گیا۔

اب جب کہ نیا ہجری سال شروع ہو چکا ہے اور ذاتِ نبویؐ سے مسلمانوں کے اس عشق و محبت کی ایک بہلی تصویر سامنے آگئی ہے تو ہم اپنا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ گزرے ہوئے دنوں میں ہم نے اپنے محبوب کی اداویٰ اور سنتوں کو کہاں تک اپنایا؟ اور اپنی زندگی کو اس سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے؟ اگر کوتا ہیاں نظر آتی ہیں اور ہم بھول چوک یا رسم و رواج کے شکار ہوئے ہیں تو اب اس نئے سال سے زندگی کا سفر کس طرح جاری رکھنا ہے؟ ہمارے گرد و پیش کی بگڑی ہوئی دنیا کے حالات ہم سے کس بات کا تقاضا کر رہے ہیں، ان حالات میں اپنے محبوب کے ارشاد کی روشنی میں کہ: ”من أحیی سنتی عند فساد أمتی فله أجر مأة شهید“ (جس نے میری امت میں بگاڑ کے وقت میری سنت کو زندہ کیا، اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا)۔

سوچیں کیا ہم انی زندگی میں تبدیلی لانے اور معشرہ میں اس صدر کو بلند کرنے کا عزم و حوصلہ ماتے ہیں؟!

کی بیوی نہ کبھی۔

نبی مصوم اور نبی محبوب سے یہ کہا جا رہا ہے، تو ہم سے کیسے مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ ہم شریعت کو بدلتیں۔ یہ دو حقیقتیں ہیں جن کو سمجھنے کے بعد اس غلط فہمی کا پردہ ہی چاک ہو جاتا ہے، اور ایک غیر ضروری صورت حال کا مقابلہ کرنے اور اس پر اپنی ذہانت تو انہی سرف کرنے سے ہمیں چھٹی مل جاتی ہے اور ملک و حکومت کو دوسرا ضروری کاموں کے لیے وقت نک جاتا ہے۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی وحدت کے لیے سالمیت کے لیے اور مشترک وطنی شعور کے لیے ضروری ہے کہ ایک مشترکہ واحد عائی (Uniform Civil Code) نافذ ہو، تو میں ایک سیدھی سی بات پوچھتا ہوں، اسکوں کاچھ بھی اس کا جواب دے سکتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم جو ہوئی تھی وہ اصلاً وابتداءً برطانیہ اور جرمی کے دمیان ہوئی تھی، جرمی اور انگریز دونوں نہ صرف یہ کہ کرچین ہیں پروٹستنٹ بھی ہیں اور ان کا عائی قانون بالکل ایک ہے، یہ کوئی بھی شخص معلوم کر سکتا ہے کہ جہاں تک عیسائی قانون کا تعلق ہے، ایک ہے، پھر یہ دونوں دشمنوں کی طرح کیوں لڑے؟ اگر یونی فارم سول کوڈ جنگ کو روک سکتا ہے اور نہ رہ آزمائی اور تصادم سے باز رکھ سکتا ہے تو اس کو وہاں روکنا چاہیے تھا، پھر دوسرا جنگ عظیم کا بھی یہی حال تھا کہ کرچین اور پروٹستنٹ جن کی تہذیب بھی، عائی قانون سے ایک دوسرے کو تباہ کرنے کا حکم ہے، قرآن مجید میں صاف صاف آتا ہے:

۷

۷۴ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعُهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ [سورۃ الباغیۃ: ۱۸] (اے پیغمبر) ہم نے آپ کو دین کے خاص طریقہ (شریعت) پر کر دیا ہے، تو آپ اسی پر حلتے جائیے اور بے علموں کی خواہشوں کے لیے بھی مضر ہے۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ دین اسلام کے دائرہ کو سمجھ لیا جائے، اس بارہ میں مذاہب میں خود اختلاف ہے اور اس میں درجوں کا فرق ہے، کئی مذاہب ایسے ہیں کہ وحی و نبوت سے ان کا آغاز

## عائی قانون کی وحدت غیر محفوظ اور پر خطر

### خطبہ صدارت اجلاس بورڈ، بمقام دہلی

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

گروہ قابل احترام ہیں، لیکن ”دین“ اور تہذیب، نظام فکر، مكتب خیال (School of Thought) اور خالص مطالعہ، غور فکر اور تجربہ کے نتائج میں ایک حد فاصل، سرحدی لیکر (Line Of Demarcation) ہوتی ہے، جوایک دوسرے سے جدا کرتی ہے، اس خط کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے، حد فاصل یہ ہے کہ آسمانی مذاہب (ادیان) ان ہرگز یہ افراد کے ذریعہ پہنچے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب سے سرفراز فرمایا تھا، اور جن پر وحی آتی تھی، اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے خلط بحث (Confusion) ہوتا ہے، زیادہ تر لوگ نادانستہ طریقہ پر ان مذاہب سے توقع اور بعض اوقات آگے بڑھ کر ایسی چیزوں کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں، جن کی ان مذاہب میں گنجائش اور ان کا کوئی جواز نہیں، وہ بعض اوقات ان کی تشریع کا فرض اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، اپنی وسعت مطالعہ اور وسعت نظر کے اظہار کے لیے وہ مذاہب کی ترجیحی ایسی کرنے لگتے ہیں جیسے کہ یہ زیرِ فلسفے یا انسانوں کے بنائے ہوئے تہذیب و تمدن کے نظام اور سماجی تجربے اور معاشرتی نظریات ہیں۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، ان کے ایمان و عقیدہ کا جزء ہے کہ ان کا عالمی قانون (Family Law) اسی خدا کا بنا یا ہوا ہے، جس نے قرآن اتارا اور عقائد و عبادات کا قانون عطا کیا، سارا قرآن مجید ان تصریحات سے بھرا ہوا ہے، مسلمان اس عقیدہ پر ایمان لانے پر مجبور ہیں، اور اس کے بغیر وہ مسلمان نہیں رہ سکتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قانون خدائے علیم و خبیر کا بنا یا ہوا ہے، جو انسان کا بھی خالق ہے

نامناسب یا ناقابل برداشت سمجھتے ہوں، جو حکومت اس قسم کے نظام قانون کو برقرار کھنے پر مصروف ہے اس کے نافذ کرنے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا ہو گا، اس لئے کوئی نظام جس کی بنیاد انصاف پر نہ ہو غیر محفوظ اور پر خطر ہو گا جیسا کہ جان ڈنکسن نے کہا ہے:

”ہمیں کسی عام اور متعین ضابطہ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ایسے ضابطہ کی ہے، جس کی بنیاد انسانی ضرورت اور صلاحیت پر ہو، ورنہ وہ نظام قابل عمل نہ ہو گا، یہ قانون منصفانہ اقدار اور اندر ورنی روحانات کی خلاف ورزی کرے گا، ہمیشہ اس کی خلاف ورزی کی جائے گی، اور وہ اتنا ناپائدار ہو گا کہ اس کا جواز ہی ختم ہو جائے گا۔“

پھر ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یکسانی اور اتحاد پیدا کرنے کے لیے اگر کوئی قانون کسی آبادی کے کسی عضر، ملک کے کسی فرقہ اور کسی مذاہب کے ماننے والوں کے بنیادی عقائد سے متصادم ہے، تو وہ اتحاد، باہمی تعاون، ملک کی تعمیر و ترقی میں گرم جوشی، خلوص اور سکون و مسرت کا احساس پیدا کرنے کے بجائے مزید انتشار، بے دلی یا نیم دلی بلکہ مجبوری اور غلامی کا وہ احساس پیدا کر سکتا ہے جو کسی آزاد ملک یا متعدد قومیت کے لیے جذام اور کوڑھ سے کم نہیں۔

یہ دین جو ہم تک پہنچا ہے اور جس دولت کے ہم اور آپ امین ہیں، اور (محافظ کا لفظ تو بڑا ہے) اس دولت کے حامل ہیں، وہ دین ہمیں دانشوروں، سماجی خدمت گاروں، اصلاحی کام کرنے والوں (Social Workers) اور بانیان سلطنت کے ذریعہ نہیں پہنچا، یہ سارے

اور ہندو ہندو کے خلاف مدعی ہے، اور مدعا علیہ کی عزت کو خاک میں ملا دینا چاہتا ہے، اس کے گھر پر بھائیوں کا چلا دینا چاہتا ہے، ان دونوں کا عالمی قانون بھی ایک ہے، بعض اوقات تو خون بھی ایک ہوتا ہے، دونوں فریق ایک نسل، ایک خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، درحقیقت اختلافات اور دشمنیوں کا تعلق نفسانیت سے ہے، دولت پرستی کے جنوں سے ہے، نفس پرستی اور مادیت سے ہے، اس غلط نظام اور نصاب تعلیم سے ہے جس نے اخلاقیات کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے، اس کا تعلق ہرگز عالمی قانون کے اختلاف سے نہیں ہے، یہ میں ڈنکن کے چوٹ پر کہتا ہوں اور چیلنج کرتا ہوں کہ عالمی قانون ایک ہو جانے سے اخلاقی صورت حال میں قطعاً ایک ذرہ کا فرق نہیں پڑے گا، پھر کیوں بار بار اس کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ یونی فارم سول کوڈ ہونا چاہیے تاکہ آپس میں اتحاد و الفت پیدا ہو۔

اس موقع پر ایک مشہور برطانوی ماہر قانون بودن ہایمر (Boden Heime E) نے فلسفہ قانون اور اس کی سماجی اہمیت سے بحث کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ ہماری آنکھ کھولنے اور حقیقت پسندی سے کام لینے کے لیے کافی ہے، وہ کہتا ہے:

”کسی قانون نظام سے جس کا منشاء زندگی میں یکسانیت پیدا کرنا ہو اگر لوگوں کے ایک بڑے طبقہ میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ہے تو اس قانون کو ٹوٹنے یا اس سے بچنے سے محفوظ رکھنا حکومت کے ذمہ داروں کے لیے اپنائی مشکل ہو گا، لوگ کسی ایسے قانون کو زیادہ دونوں تک برداشت نہیں کر سکتے جسے وہ

میں یہ رسم جاری تھی اور یہ شریف اور معزز گھر انوں کی ایک روایت اور قابل تقلید بلکہ قبل فخر عمل بن گیا، مسلمانوں نے اپنے زمانہ حکومت میں مذہب میں مداخلت کے الزام سے بچنے کے لیے اس کو قانوناً منسوخ اور منوع قرار دیا (Burnier) کے ڈاکٹر برنیر (Burnier) نے اپنے "سفر نامہ" میں بھج سلطنت مغلیہ میں لکھا ہے کہ حکمراء اور با اثر طبقہ کی بیگمات ان گھر انوں میں جاتی تھیں اور بیوہ کوئی ہونے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی تھیں۔ برطانوی حکومت نے اس کو یکسر منوع قرار دیا، لیکن اب بھی کہیں کہیں (خاص طور پر راجپوتانہ میں) یہ رسم جاری ہے، اور اس کے واقعات سننے میں آتے ہیں۔

اس فرق کی نشاندہی کے علاوہ جو ضرورتا اختیار کی گئی اور جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمان مطلقہ خاتون طلاق کے بعد یکسر لاوارث نہیں ہو جاتی، اور وہ بھیک مانگنے یا زندگی کا خاتمہ کرنے پر مجبور نہیں ہوتی، وہ اپنے ان اہل خاندان اور خونی رشتہ رکھنے والوں کے پاس عزت کی زندگی گزار سکتی ہے، اس حقیقت کی طرف ادب کے ساتھ ان مفترضین و ناقدین کو متوجہ کرنا ہے کہ اس مسئلہ سے کہیں زیادہ ان کی توجہ کی مستحق خود ان کے فرقہ اور طبقہ نسوان کی سیکڑوں، ہزاروں نئی پیاسی دہنوں کے جلائے جانے، یا غیر طبعی طور پر ان کو ہلاک کر دینے کے وہ واقعات ہیں جن سے شاید اس لمبے چوڑے ملک میں کوئی دن خالی جاتا ہو۔

یہ اس احساس تناسب (Sense Of Proportion) کے بھی خلاف ہے، جس پر زندگی کا نظام چل رہا ہے، مسئلہ جس نسبت سے

فرق ہے، جس کو ملحوظ رکھنا چاہیے، وہ یہ کہ اسلام اور مسلمانوں میں عورت کی شادی ہو جانے کے بعد وہ اپنے خاندان، والدین اور بھائیوں سے کٹ نہیں جاتی اور نکاح و طلاق دونوں حالتوں میں خاندان کے ایک ایک فرد مال باپ (اگر وہ زندہ ہیں) کی بیٹی اور بھائی بہنوں کی بہن ہوتی ہے، وہ ترک (Heritage) اور جاندار میں اس پورے حصہ کی مستحق ہوتی ہے جو شریعت اسلامی نے مقرر کر دیا ہے، اور جس کا قرآن مجید میں ذکر اور اس کے دینے کی تاکید ہے اور وہ شرعاً و قانوناً اس کا مطالبہ کر سکتی ہے اور شرعی عدالت اس کے حق میں فیصلہ کرے گی، اس کے خلاف جو عمل کیا جائے گا، وہ گناہ اور شریعت میں مداخلت بلکہ اس سے بغاوت ہوگی۔

اس کے برخلاف (معذرت کے ساتھ کہا جاتا ہے) ہندو معاشرہ اور سماج میں عورت شادی کے بعد اپنے خاندان، مال باپ اور بھائی بہنوں سے کٹ جاتی ہے، اس کی کفالت کی ذمہ داری سرتاسر شہر پر عائد ہوتی ہے، اسی صورت حال اور سماجی ڈھانچہ کی وجہ سے شوہر کے انتقال پر عورت بالکل لاوارث اور تہاہو جاتی ہے، اس کی کفالت، سکونت و حفاظت کی ذمہ داری کسی طرح اس کے خاندان (میکہ) پر عائد نہیں ہوتی اور اس کے لیے عزت کے ساتھ زندگی گزارنا ناممکن ہو جاتا ہے، اسی صورت حال اور رواج نے قدیم زمانہ میں (جس کی تاریخی تحدید مشکل ہے) خواتین کے طبقہ کو جو یوگی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھیں، سی کی رسم کی طرف مائل کیا، جو اس کسم پری اور لاوارثیت سے نجات پانے کا واحد راستہ نظر آتا تھا، اور صدیوں بلکہ شاید ہزاروں برس سے اس ملک

اور اس کائنات کا بھی اور جو اس کی فطری ضرورتوں اور کمزوریوں دونوں سے واقف ہے، وہ فرماتا ہے:

"الَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ طَوْهُ الْأَطِيفُ الْجَعِيرُ" [سورۃ الملک: ۱۲] (کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو (بڑا ہی) باریک بیس اور (پورا) باخبر ہے)۔

اسی طرح وہ زمانہ کا بھی خالق ہے، ہمارے لحاظ سے ماضی حال و مستقبل کی تقسیم کتنی ہی صحیح اور ضروری ہو، اس کے لحاظ سے سب ماضی ہی ماضی ہے، اس لیے ایک بار مان لینے کے بعد کہ وہ خدا کا بنا یا ہوا قانون ہے، جو ایک زندہ جاویدا است اور ایک عالمگیر اور دائیٰ شریعت کے لیے بنا یا گیا ہے تو ترمیم اور تبدیلی کی ضرورت کا مطالبہ ایک کھلے منطقی تضاد (اور جہاں تک مسلمان کھلانے والے اشخاص کا تعلق ہے) ایک اعتقادی اور عملی نفاق کے سوا کچھ نہیں۔

پھر معاملہ صرف ایمان بالغیب اور مذہبی عقیدت اور عصیت کا نہیں، اس قانون کے مکمل، متوازن اور عادل ہونے اور زمان و مکان کی تبدیلی پر حادی ہونے کی عقلی و علمی شواہد، اور مسلم وغیر مسلم، مشرقی و مغربی فضلاء، جری و انصاف پسند مقتنین کے واضح اعتراضات اور عملی تجربے اتنے ہیں کہ کوئی "شپرہ چشم" ہی ان سے انکار کر سکتا ہے، اس موضوع پر متعدد نامور فضلاء نے قلم اٹھایا ہے، اور بڑا قبیتی مواد جمع کر دیا ہے۔

ایک حقیقت یہ پیش نظر ہنی چاہیے کہ مسلم معاشرہ اور ہمارے ملک کے غیر مسلم معاشرے، سماج، خاندانی زندگی اور ماحول اور اسی کے ساتھ دونوں فرقوں کے مذہبی قانون و آئین میں ایک

آپ لڑکی مانگیں گے، اپنے لیے رفیقہ حیات کی ملاش کریں گے، بیٹھ کے لیے پیام دیں گے، جہیز کے لیے آپ کے بڑھے چڑھے مطالبات نہیں ہوں گے کہ ہمیں یہ ملنا چاہیے، وہ ملنا چاہیے، لڑکوں کو اور ان کے والوں اور بزرگوں کو اس کا عہد کرنا چاہیے کہ ہم اپنے بیہاں تو کیا ہم اس ملک سے اس رسم کو ختم کر دیں گے۔

ایسے ہی ترکہ شرعی طریقہ پر تقسیم ہونا چاہیے، نکاح شرعی طریقہ پر ہونا چاہیے اور طلاق کا مسنون طریقہ معلوم کرنا چاہیے، مسنون اور افضل طریقہ کیا ہے، پھر اس کے بعد فقہی طلاق جس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس کو سمجھنا چاہیے کہ طلاق رجی کیا ہوتی ہے؟ طلاق بائن مغلظہ کیا ہوتی ہے؟ پھر آپ یہ بھی سمجھیں کہ طلاق بعض المباحثات ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جائز ہے، لیکن آخری درجہ کی چیز ہے، بڑی مجبوری کی چیز ہے، جو اپنے کو حرام چیزوں سے اور زندگی کو تلنے بننے سے بچانے کے لیے بہت مجبوری سے دل پر پھر رکھ کر اختیار کی جاتی ہے، یہ نہیں کہ طلاق ایک فیشن ہو گیا ہے، جو لوگ مسلمانوں کو یہ طعنہ دیتے ہیں، اس میں تھوڑی سی ہماری کوتاہی کو بھی دخل ہے، جتنا طعنہ دیتے ہیں اتنے کے مستحق تو ہم ہرگز نہیں ہیں۔

آپ اجازت دیں کہ عدالت و حکومت اور آئین ساز ادارہ و انتظامیہ پر اظہار خیال کرنے کے ساتھ اپنی ملت کا بھی ناقدانہ، لیکن منصفانہ و حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے، ایک اہم چیز جو عالم غیب میں بھی بڑا اثر رکھتی ہے، اور ملیٰ و اجتماعی زندگی میں بھی اس کے اثرات بڑے و سیع اور دور

گھروں میں اس قانون کو نہ چلاو اور حکومت سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہارے قانون کو چلائے، اس کا احترام کرے؟

بیہاں سے یہ عہد کر کے جائیے کہ اب قانون شریعت پر آپ چلیں گے، یہ جہیز کی کیا مصیبت ہے؟ لڑکے والوں کی طرف سے مطالبات کی ایک لمبی چوڑی فہرست پیش ہوتی ہے، شرعاً اٹاپیش کیے جاتے ہیں، ان کے پورا نہ ہونے پر یہ معصوم لڑکیاں جلا دی جاتی ہیں، ملک میں سیکڑوں واقعات پیش آتے ہیں، کیا اس کائنات کے خالق اور نوع انسانی کے مرتبی (جس کی مخلوق مردو عورت دونوں ہیں) کو یہ چیز گوارہ ہو سکتی ہے؟ کیا اس ظلم کے ساتھ کوئی ملک، کوئی معاشرہ پنپ سکتا ہے، خدا کی رحمت و نصرت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ آپ رحمۃ للعلَّمین کی امت ہیں آپ کے ہوتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کی ہمت نہیں ہوئی چاہئے تھی، میں نے دہلی ہی کے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنَّتَ فِيهِمْ، وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ“ [سورة الانفال: ۳۳] (اور خدا ایسا نہ تھا جب تک تم ان میں تھے انہیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور انہیں عذاب دے۔)

آپ رحمۃ للعلَّمین کی امت ہیں آپ کے ہوتے ہوئے ہندوستانی سماج میں، ہندوستان کے معاشرہ اور سوسائٹی میں یہ ظلم ہو، اس کو عقل قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، آپ کے ہوتے ہوئے بھی یہ نہیں ہونا چاہیے تھا، چ جائے کہ آپ کے ہاتھوں ہو، عہد تکمیل کر کے اپ اسلامی طریقہ پر، شریفانہ انسانی طریقہ پر شادی کا پیام دیں گے،

تجہ، فکر و پریشانی کا مستحق ہے، اسی نسبت سے اس کی طرف توجہ اور اس میں تو انائی صرف کرنے کی ضرورت ہے، رائی کا پربت بنانا، نہ عقل سیم کا تقاضا ہے، نہ عقل عملی (Practical Wisdom) کا۔

اب میں اس مجع کو ایمانی و قرآنی زبان میں خطاب کرنا چاہتا ہوں، اور آپ کی عملی زندگی کا محاسبہ کرتا ہوں، آپ دیکھئے کہ آپ اسلامی و قرآنی قانون معاشرت کا خود لکھا احترام کرتے ہیں، اس پر خاندانی روایات کو اور سرم درواج کو تلقی ترجیح دیتے ہیں؟ اس پر اس کا اضافہ کیجیے جو آپ نے اپنے ہم وطنوں سے سیکھا ہے، جہیز کا بڑھا چڑھا مطالبہ ہم میں کہاں سے آیا؟ اس کو کسی نام سے یاد کیا جاتا ہو، یہ چیز کہاں سے آئی؟ کہہ و مدینہ، حریم شریفین سے آئی ہے؟ قرآن مجید کے راستے سے آئی ہے، یہ لعنت کہاں سے آئی؟ جب آپ اس کو قبول کرتے ہیں، تو بطور سزا کے آپ کی غیرت ملیٰ کو، آپ کے وجود ملیٰ کو بار بار نشانہ بنایا جاتا ہے۔

لیکن جب ہم اہل حکومت اور برادران وطن سے شکایت کرتے ہیں تو ہمیں آپ سے شکایت کرنے کا حق کیوں نہ ہو؟ ان سے تو شکایت کریں گے اور ان کا دامن پکڑیں گے لیکن آپ کا گریبان پکڑ لیں گے، اور وہ ہاتھ ہمارا ہاتھ نہیں ہو گا، وہ دینی احتساب کا ہاتھ ہو گا، وہ شریعت کا ہاتھ ہو گا، جو آپ کا گریبان پکڑے گا اور کہے گا کہ پہلے تم اپنے گریبان میں منہڈاں کر دیکھو کہ تم اس قانون پر کتنا چلتے ہو تمہاری نگاہوں میں اس قانون کی تلقی حرمت ہے؟ تم جہاں اس قانون کو چلا سکتے ہو وہاں چلا رہے ہو کہ نہیں؟ تم تو اپنے

معلوم ہوئے تھے، آج دور دراز کے عزیزوں اور دوستوں کو بیہاں تک کہ ان ملکوں سے جہاں پاسپورٹ اور ویزا ہے مدعو کیا جاتا ہے، اور حضرت عبدالرحمنؐ کی شادی کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واللہ وسلم کو اس وقت ہوتی ہے، جب ان کے کپڑوں پر خوبصورت نشان ملاحظہ فرمایا جاتا ہے، پوچھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شادی کر لی ہے، اس وقت برکت کی دعا کی جاتی ہے، اور ولیہ کے لیے بدایت ہوتی ہے خواہ ایک بکری ہی ذبح کر کے ہو۔

اب وقت آگیا ہے کہ ان ”حوالہ مند یوں“ پر جن کا ان مواقع پر اظہار کیا جاتا ہے، ہمارا ذمہ دار بقہ اپنی پوری ناپسندیدگی اور بیزاری کا اظہار کرے، ان حوصلہ مند حضرات کو بھی سوچنا چاہیے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات، مسلمانوں کی معاشی پستی اور بدحالی بلکہ فلاکت اور ہلاکت کے دور میں اس کی کیا گنجائش ہے کہ کوئی فرد اپنے بیہاں کہ کسی ایک تقریب پر اتنے مصارف کر دے جس سے ایک برادری کی پروش یا کمل ادارہ کا انصرام ہو سکتا ہے؟ ان کو آخرت کے موآخذہ اور حساب سے بھی ڈرنا چاہیے جب ایک ایک پائی کا حساب دینا ہوگا اور افراد و ملت کی شدید ضرورت کی موجودگی میں اس دریادی کا جواز پیش کرنا ہوگا جو اپنی ذات تک محدود تھی، اور جس نے محض نام و نمود یا اپنی حیثیت عرفی کا مظاہرہ اور بعض اوقات اس کو ترقی دینا، اس کی توسعہ اور اس سے اجتماعی یا سیاسی فوائد حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

فریضہ تھا) دل کھول کر اور جان پر کھیل کر روپیہ خرچ کرنے کا رواج ہے، ان میں سے بہت سے حضرات اپنی دوسری عملی زندگی میں دیندار اور صاحب خیر بھی ہیں مگر انہوں نے اس شعبہ کو دین سے بالکل غیر متعلق سمجھ رکھا ہے۔

حقیقتاً اس سلسلہ میں سخت قدم اٹھانے کی ضرورت ہے، ان فرائض و تقریبات کا تختیل و مفہوم یکسر بدلنے کی ضرورت ہے، اس کے خلاف اعلان جنگ اور اعلان بغاوت کی ضرورت ہے، اس بات کو صاف طریقہ پر واضح کر دینے کی ضرورت ہے کہ یہ معرفانہ تقریبات افراد کے لیے غصب الہی کا موجب اور ملت کے لیے وبال و ادب اکابر کا باعث ہیں، اللہ تعالیٰ کی حکیم و حکیم ذات اور اس کی حکیمانہ شریعت ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتی کہ جھوٹے نام و نمود اور عارضی رونق و زینت یا کام و دہن کی فانی لذت پر وہ دولت صرف کی جائے جو سیکڑوں ضرورت مندوں کے کام آسکتی تھی۔

خوش حال و سر برآ اور دہ مسلمانوں کے سامنے یہ واقعہ آنا چاہیے کہ مدینۃ منورہ کی محدود و مختصر آبادی میں حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نکاح کرتے ہیں، اور اس ذات گرامی کو اطلاع بھی نہیں ہوتی جس کی شرکت و موجودگی ہر بزم کے لیے باعث فخر و زینت تھی، خصوصاً ایک جلیل القدر صحابی اور مہاجر کے کاشانہ کا چراغ بجا طور پر تھی، جس نے ابھی ابھی اس نئے شہر میں قدم رکھا تھا، اور جس کے سارے تعلقات اسی مہاجر برادری سے قائم تھے، اور بیہاں کی رونق و برکت سب اسی ذات عالیٰ کے طفیل تھی، جس سے ازدواجی زندگی کا یہ طریقہ اور اس کے یہ احکام

رس ہیں، وہ مسلمانوں کا اپنے ذاتی معاملات پر اور اپنی دلچسپی کے دائرہ میں اسراف و فضول خرچی، شہرت و عزت کے حصول یا رسم و رواج کی پابندی میں بے دریغ روپیہ صرف کرنا اور اپنے پڑوسیوں، عزیزوں اور ملت کے دوسرے افراد کے فقر و فاقہ، اضطرار و اضطراب اور ان افسوسناک حالات سے چشم پوشی اور بے حصی ہے، جن میں کم سے کم انقلاب کے بعد مسلمان اس ملک میں مبتلا ہو گئے ہیں، فقہ و مقاوی کی محتاط و محدود زبان اور حلال و حرام کے معین حدود و احکام میں خواہ اس کے لیے حرمت کا کوئی صریح فتویٰ اور لرزہ خیز لقطہ نہ ملے، اس میں ذرا شبه نہیں کہ یہ صورت حال اللہ تعالیٰ کی حکیم و عادل ذات اور ریوبیت اور رحمت عامہ صفات کے لیے غصب اور سخت ناپسندیدگی کا باعث ہے کہ ایک ایسے ماحول و زمانہ میں جہاں ایک کیش تعداد نان شبینہ کی محتاج ہو، جاں بلب مریض دوا اور برہمنہ تن شریف مردا اور عورتیں ستر پوشی سے محروم ہوں کہیں کسی بیوہ کے چولے پر تو اور کہیں کسی غریب کے جھونپڑے میں دیانہ ہو ایک ایک دعوت اور ایک ایک تقریب میں ہزاروں لاکھوں روپے بے دریغ خرچ کیے جائیں۔

زمانہ کے بہت سے تغیرات و انقلابات اور علم و ترقی کے باوجود معرفانہ اور ”شاہانہ“ شادیوں اور تقریبوں کا رواج بند نہیں ہوا، البتہ بعض جگہ انہوں نے جدید (ماڈرن) طرز اختیار کر لیا ہے، اور سیاسی مصالح و مقاصد بھی کہیں کہیں ان سے وابستہ ہو گئے ہیں، آج بھی ہماری بہت سی برادریوں اور تجارت پیشہ حلقتوں اور عمائد شہر میں تقریبات پر (جو ایک انسانی ضرورت اور دینی

بصیرت افروز

# زندگی کے بگار کا اصل علاج

## حضرت مولانا سید محمد رابع حسني ندوی

ان کا شروع کا اچھا زمانہ گذر جانے کے بعد ان کے بہت سے لوگ نفس پرستی اور دنیا بُلی میں بیٹلا ہونے لگے اور بدیانتی اور خود غرضی اور نا انسانی کے مرتكب ہوئے جو کہ دنیا سے ان کی نفس پرستانہ محبت والفت کی وجہ سے اور خواہش نفس کی

تابعداری میں ہوا۔ قرآن مجید میں یہ سب باتیں محض تاریخ بتانے کے لئے نہیں دی گئیں بلکہ یہ اس لیے بیان کی گئیں کہ آنے والی قویں اور ان کے افراد سبق لیں اور اپنی زندگیوں کو صحیح رخ دیں، اور وہ صحیح رخ پروردگار عالم کی ناراضی کے ڈر اور آخرت میں جزا و سزا کے تصور سے جڑا ہوا ہے۔

قرآن مجید میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ جب انسانی معاشرے میں خربیاں بہت عام اور بھی ان حد تک پہنچ جاتی ہیں تو پورا معاشرہ غضب "أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعَ آيَةً تَعْبُثُونَ، وَتَتَخَذُونَ مَصَانِعَ لِعَلْكُمْ تَخْلُدُونَ، وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَارِينَ" (کہ ہر جگہ پر تم کوئی شامدار یادگار تغیر کرتے ہو اور جس کسی پر تم طاقت کا استعمال کرتے ہو تو بڑے جبار اور قہار بن کر طاقت کا استعمال کرتے ہو)۔

قرآن مجید نے بہت سے واقعات اسی سلسلہ کے بیان کیے ہیں، اور ان کا مقصد خداۓ واحد پر ایمان رکھنے والوں کو توجہ دلانا ہے، ان میں سے بعض واقعات برس اقتدار نسل کے ماتحت نسلوں کو دبانے اور نظر انداز کرنے کے ہیں، بعض واقعات اصحاب اقتدار کی طرف سے اپنی رعیت کے ساتھ ظلم و حق تلفی اور استھصال کرنے کی صورت میں سامنے آتے ہیں اور بعض واقعات اہل ثردت و عظمت لوگوں کی طرف سے اپنی بے جاشان و عظمت کا مظاہر کرنے کے اور دوسروں کو اس کی خاطر پامال کرنے کے ہوتے ہیں، بعض

بنایا تاکہ ان سے بے محابا خدمت لیں اور فائدہ اٹھائیں، اور ان کے بچوں کو عمومی طور پر حق کرنے کا طریقہ اختیار کیا، کہ وہ بڑے ہو کر مقابلہ پر نہ آسکیں، قرآن مجید اس کا ذکر اس طرح کرتا ہے: "يَذِبِحُ أَبْنَاءَ هُمْ وَيَسْتَحِي نِسَاءَ هُمْ" (ان کے بُرُوكوں کو ذبح کرتا تھا اور بُرُوكیوں کو زندہ رکھتا تھا) دوسری طرف قوم عاد و ثمود اور عمالقة اپنی طاقت اور زور دستی کا مظاہرہ کرتے پھر تے تھے۔

جس کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ: "أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعَ آيَةً تَعْبُثُونَ، وَتَتَخَذُونَ مَصَانِعَ لِعَلْكُمْ تَخْلُدُونَ، وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَارِينَ" (کہ ہر جگہ پر تم کوئی شامدار یادگار تغیر کرتے ہو اور جس کسی پر تم طاقت کا استعمال کرتے ہو تو بڑے جبار اور قہار بن کر طاقت کا استعمال کرتے ہو)۔

قرآن مجید نے ان قوموں کا ذکر غالباً اس لے کیا کہ آئندہ آنے والے لوگ مجھیں کہ آئندہ بھی خداۓ واحد سے برگشتہ اور آخرت فراموش قوموں کا بھی یہی وظیرہ بن سکتا ہے۔ لہذا لوگ اس کو مجھیں اور اپنے کو باطل پسندی اور نفس پرستی سے ہٹا کر خداۓ واحد کے مقرر کیے ہوئے راہ مستقیم پر گامزن کریں، ورنہ وہ عذاب الہی کا شکار ہوں گے۔

قرآن مجید میں قوموں کے ساتھ انسانی افراد میں اس طرح کے رویہ کی مثالیں بھی بیان کی گئی ہیں، جو زیادہ تر نی اسرائیل کے افراد کی ہیں جب

دنیا کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اگر پروردگار عالم کا ذرہ نہ ہو اور آخرت میں جزا و سزا کا تصور نہ ہو تو انسان اپنے نفس کا بندہ اور زندگی کے ہر معاملہ کو صرف اپنے دنیاوی مفادات کے پس منظر میں دیکھنے والا بن جاتا ہے۔ اور یہ بات بعض وقت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اس کے خاطر دوسروں کے ساتھ حق تلفی بلکہ ظلم و چیزہ دستی کرنے سے بھی باز نہیں آتا، یہ بات قوموں کی زندگی میں بھی پائی جاتی ہے، اور افراد کی زندگی میں بھی نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔

تاریخ انسانی میں خوف خدا اور خوف آخرت سے عاری معاشروں میں اس سلسلہ کے بڑے افسوسات واقعات، ظالمانہ روے برابر واقع ہوتے رہتے ہیں، قرآن مجید میں ایسے معاشرہ کا جہاں جہاں تذکرہ آیا ہے وہاں ان کے ظالمانہ طور و طریق کو واضح کیا گیا ہے، اور ان کے بگاڑ کے تذکرہ کے ساتھ اس کی بنیادی وجہ خدائے واحد کی تابعداری سے ان کے برشٹی ظاہر کی گئی ہے۔

فراغہ مصرنے اپنے انتقال کرنے والے بادشاہوں کے پھاڑ جیسے مقبرے بنانے کے لئے اپنے عوام سے کس قدر ظالمانہ طریقہ سے بیگار لیا اور اس کی بناء پر ظلم و زیادتی کے ذریعہ اپنی عظمت کے نشانات قائم کرنے کی مثالیں پیش کیں، پھر اپنے دنیوی فائدوں کے لیے اپنی ماتحت اقلیتی قوم بھی اسرائیل کی شریف زادیوں کو اپنی کنیزیں

ہیں، پروردگار عالم یہ سب دیکھتا ہے اور ان با توں کو جو ظلم و جبرا اور خدا نے واحد کے احکامات سے روگردانی اور آخرت کی جزا و سزا سے بے پرواہی کی صورت میں ظاہر ہوتی جاتی ہیں سخت ناپسند کرتا ہے، لیکن اس کی طرف سے مہلت اور اصلاح کر لینے کا موقع دینے کا معاملہ ہے تاکہ خطا کار لوگ مہلت سے فائدہ اٹھا کر اپنے کو درست کریں لیکن وہ اگر مہلت سے نہ فائدہ اٹھائیں اور نہ سمجھانے سے مانیں اور اپنی اصلاح نہ کریں تو ان کے لیے پھر کپڑا اور عذاب ہے۔

اول اور ہر ان اخلاق و مذہب کی ذمہ داری ہے کہ خدا کا خوف دلائیں اور آخرت کی فکر سے ڈرائیں اور حالات کو بہتر بنانے کی طرف توجہ دلائیں۔ قائدین ملک کی ذمہ داری ہے کہ بگڑے ہوئے حالات کو درست کرنے کی کوشش کریں، اور ایسی زندگی استوار کرنے کی طرف توجہ کریں جس میں امن ہو آپسی رواداری اور ہمدردی ہو، انسانیت کی قدروں کی پاسداری ہو، اور اپنے رب واحد کے احکام کی تابعداری ہو، تاکہ ملک و ملت چیزیں و راحت امن و خوشحالی سے زیادہ سے زیادہ ممتنع ہو اور صحیح انسانی معاشرہ قائم ہو سکے۔



سلسلہ جاری ہے، اور بعض بعض بھجوں پر تو ظلم و تعدی کی مقابل تاریخ کی مثالیں تازہ کر دی گئی ہیں، جن کی گواہی سائبیریا میں جلاوطنی کرنے جانے والے افراد کے حالات اور جنوبی یورپ کے اقیانی آبادیوں کے ساتھ سفا کی برتنے اور فلسطینیوں کے ساتھ حق تلقی اور ظلم کے واقعات سے متعلق ہے۔ دنیا کے کئی متقدم ترین اور آزادی و جمہوریت کے دعویدار ملکوں میں گورے اور کالے کے درمیان ظالمانہ امتیاز کی مثالیں ابھی ذہنوں میں تازہ ہیں۔ یہ تا جمیع دائرے کے حالات ہیں ان کے ساتھ سفا کی برتنے اور اس کے طریقے سے دیکھے جاسکتے ہیں اور اس سب پر مسترد اور کھوف خدا کا فرقان اور آخرت کی جزا و سزا سے مکمل بے نیازی صورت حال کو اور زیادہ خراب اور قابل مواخذہ بنا رہی ہے۔ ایسی صورت میں غضب الہی کا کسی وقت آجانا کوئی تجھ کی بات نہیں اس سلسلہ میں مسلمانوں کو بھی توجہ کی ضرورت ہے کہ ان میں بھی ان میں سے متعدد خرایاں کھلے طریقے سے دیکھی جاسکتی ہیں یہ سب بہت ڈرنے کی اور خطرہ محسوس کرنے کی باتیں

و اقدامات معاشرہ میں کرپشن کے عام ہو جانے اور اپنی بیہودگی پر جرأت کے ساتھ عمل کرنے کے ہیں اور بعض واقعات بدمعاملگی اور کار و بار میں دھوکہ دہی کرنے اور ڈنڈی مارنے کے عمل عام ہو جانے کے ہیں، ایسی قوموں کے سلسلہ میں جن میں مذکورہ بالا واقعات عام ہوئے اور ان کو سمجھانے والوں نے بہت بہت سمجھایا لیکن وہ اپنے میں تبدیلی نہیں لائے، بالآخر کوئی ایسی مصیبت ان پر ڈالی گئی کہ پوری پوری نسل بنا ہو گئی۔ کہیں زلزلہ سے، کہیں طوفان سے، کہیں کسی اور آسمانی اور زمینی آفت سے بنا ہی آئی، اور خدا کے حکموں کو پامال کرنے اور تکبر اور بیجا زور دتی اور زیادتی اختیار کرنے پر سزا دی گئی۔

آج کی دنیا میں ایسی ساری خرابیاں موجود ہیں، اور بڑھتی جا رہی ہیں۔ ان کے دور کرنے اور ان سے بچنے کی فکر کرنی مفہود ہے۔ انسانی معاشرہ کرپٹ ہوتا جا رہا ہے اظہار شان و شوکت کے لئے شاندار عمارتیں، مالی منفعت کے لیے غربیوں سے استھصال کے ادارے حصول اقتدار کے لئے ہر طرح کا توڑ جوڑ طاقت و عظمت کے چھوٹے مظاہر کے اقتدار کے مل پر دوسروں کو دبانے اور ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کے طریقے کا روابر لین دین میں میں چالا کی اور دھوکہ دہی نہیں یا نسلی بنیاد پر جو رو ظلم و حق تلقی وہ کون کون سی ایسی باتیں ہیں جو اس وقت کے انسانی معاشرے میں عام نہیں ہوتی جا رہی ہیں، لیکن باوجود عہد حاضر کے جمہوریت اور مساوات کے دعووں اور نعروں کے اور آزادی رائے اور حریت انسانی کے اعلانات کے اکثر بھجوں پر جبرا و استھصال اور حق تلقی اور کمزور کو کمزور بنائے رکھنے کا

## نافعیت کی ضرورت

حضرت مولا ناصید ابو الحسن علی ندویؒ

”کسی قوم کو، کسی جماعت کو عزت کا مقام اسی وقت ملتا ہے جب وہ کسی کو فائدہ پہنچائے اور خود فائدہ نہ اٹھائے، جب وہ اپنا دامن جھاڑ دے اور دوسروں کی جھوٹی بھردے، وہ اپنے گھر میں اندھیرا پسند کرے اور دوسروں کے گھر میں چراغ جلائے، جب وہ اپنے بچوں کو بھوکا سلاۓ ابو طلحہ انصاری کی طرح اور مہماں کو شکم سیر کر کے اٹھائے، آپ تاریخ پڑھیں تو آپ پر بہت سے حقائق کھلیں گے اور عبرت و موعظت کا برا اسامان ملے گا۔“



## فکر معاصر

# دھرمتین - مردوں کی ششگردی

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن عظیمی ندوی

کیونکہ ادائے شہادت کے لئے چنی و فکری اور جسمانی یکسوئی کی شدید ضرورت پڑتی ہے، اور عورتوں کو یہ چیز حاصل نہیں ہے، اور ان کو یہ چیز حاصل بھی کیسے ہو سکتی ہے، جبکہ وہ خود کو خاندان کے نظم و نسق، اولاد کی تربیت، ان کے حفاظان صحت، اور ان کو ہر ضرر رسان شے سے بچانے میں مصروف رہتی ہیں۔

جہاں تک دعوت الی اللہ، ایمان اور عمل صالح کی ذمہ داری کا تعلق ہے، تو وہ دونوں کے درمیان مشترک ہے، عورت بقدر طاقت ان ذمہ دار یوں کی بجا آوری میں مددوں کا سہارا بنتی ہے، اور سورہ احزاب کی مذکورہ آیت میں مردوں عورت کو جس مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت دی گئی ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ دونوں مل کر ہی ایک صالح معاشرہ کی تکمیل کر سکتے ہیں، اور ان دونوں کی تکرانی میں یہ کام بحسن و خوبی انجام پاسکتا ہے، ورنہ صرف مردیا برآوردن، کے مرادف ہو گا، بلاشبہ صالح معاشرہ کی اور اسلام والیاں، اور ایمان والے اور ایمان والیاں، اور فرمانبردار مردوں اور فرمانبردار عورتیں، اور سچے مرد اور سچی عورتیں، اور خشوع والے اور خشوع والیاں، اور صدقہ کرنے والے اور صدقہ کرنے والیاں، اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ان (سب) کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔)

دھرمی، ایمانی کا زاویہ معاشرہ میں اچھے کاموں کی انجام دہی کا مردمتی تہذیب ذمہ دار نہیں ہے، بلکہ عورت بھی اس کے ان کاموں میں شریک ہے، مگر چونکہ عورتوں کے ساتھ ولادت و رضاعت اور اولاد کی تربیت اور ایام خاص کی مشقتیں لگی ہوئی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی بعض ذمہ دار یوں میں تخفیف فرمادی، اور خاندان کے تعمیری کاموں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ان کی گواہی کو مردوں کی گواہی کے نصف قرار دیا ہے ام سلمہ گوارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے ایک

اور اجر عظیم کی بشارت دی ہے، جن کا تذکرہ سورہ احزاب میں یوں آیا ہے: «إِنَّ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالخَاسِعِينَ وَالخَاسِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالحَافِظِينَ فَرُوْجَهُمْ وَالحَافِظَاتِ وَاللَاكِرِينَ اللَّهُ كَثِيرًا وَاللَّدَّا كِرَاتٍ أَعَدَ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا» [الاحزاب: ۳۵] (بیشک اسلام والیاں کے مختلف انداز میں پیش کیا ہے، مسلمان خواتین اپنی خانگی اور اندر رونی ذمہ دار یا ادا کرنے میں مددوں کی معاون سمجھی جاتی ہیں، جیسے شوہر کی خدمت، خاندان کے فراد کا احترام، اولاد کی تربیت کرنا وغیرہ۔

وی محمدی نے اپنے آغاز ہی سے عورتوں کے ذمہ تربیت امور پر دیکے ہیں، اور قوی امکان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر نکاح متعدد امہات المومنین کی حکمت یہ ہو کہ باپ کے مقابلہ میں ماں کا درجہ کئی گناہ زیادہ ہے، کیونکہ زندگی میں عورتیں وہ مشقتیں برداشت کرتی ہیں، اور ولادت کے وقت ان پر بیشانیوں سے دوچار ہوتی ہیں، جن کا مردوں کے تعلق سے تصور نہیں کیا جا سکتا، تاہم زندگی کے دوسرے شعبوں کی ذمہ دار یا اور حقوق مردوں سے متعلق ہوتے ہیں، جیسے کسب معاش، اولاد کی کفالت، اور زندگی کے دوسرے امور و آداب، ان سے مردوں کو قوامیت کا درجہ حاصل ہے۔

اللہ رب العالمین نے قرآن میں مردوں عورت کو دس صفات میں ایک دوسرے کے شریک قرار دیا ہے، اور ان کی ادائیگی پر ہر ایک کے لئے مغفرت

پور دگار) جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست کیا، پھر تجھے اعتدال پر بنایا، (اور) جس صورت میں بھی چاہا، تجھے ترکیب دے دیا۔

اگر ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اسلامی نقطہ نظر سے عورتیں دین و دنیا کے انعامات کے لحاظ سے کئی گناہ جرکھتی ہیں، اور یہ بات بھی حق بجانب ہے کہ اگر عورتیں نہ ہوں تو تنہا مرد کے لیے زندگی گذاری مشکل ہو جائے گی، چہ جائیکہ وہ ایک بہترین و مثالی سوسائٹی کی تعمیر کرے، کیونکہ عورت تو مرد کی معاون ہوتی ہے، اس کی سلطنت کی وزیر ہوتی ہے۔

انسان عورت کے بغیر ایک سعادت مند، کامیاب زندگی کا خواب نہیں دیکھ سکتا، ازدواجی زندگی کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک اپنے ذہن میں اس بات کو لٹوڑر کئے کہ ان کی زندگی میں سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے،

جس نے ان کو پیدا کیا، اور یہ اتنا بڑا حق ہے کہ عارضی زندگی کے ساتھ داگی زندگی میں بھی اس سے خلاصی اور چھکھا نہیں ہے، اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ دنیا میں ان حقوق کی ادائیگی کریں اور ہمیشہ اور داگی زندگی کے لیے اس کو ذخیرہ آخرت بنائیں، اس تاثر میں ہم ایک آئیں کریمہ کا ذکر کرتے ہیں: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَرَّةٍ وَأَنْثى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَ قَبَائلَ لِتَعْرِفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَنَّا كُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَيْمٌ خَيْرٌ» [الحجرات: ۱۳] (اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنادیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بیشک تم میں سے پرہیز گار تر اللہ کے زد دیک مہزر تر ہے، بیشک اللہ خوب جانے والا ہے پورا خدا رہے)۔

(ترجمہ از عربی: شائق علی داور)



میں تھیں، لیکن انہوں نے ان کے حق ضائع کیے تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلہ میں ان کے ذرا کام نہ آسکے اور دونوں عورتوں کو حکم ملا کہ تم بھی دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ، اور اللہ ان لوگوں کے لیے جو مومن ہیں مثال بیان کرتا ہے، فرعون کی بیوی کی جب کہ انہوں نے دعا کی کہ اے پور دگار! میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنادے اور مجھ کو فرعون اور اس کے عمل (کے اثر) سے بچا دے اور مجھے خالم لوگوں سے بھی بچا دے، اور (دوسری مثال بیان کرتا ہے) مریم بنت عمران کی جنہوں نے اپنے ناموں کو محفوظ رکھا تو ہم نے ان (کے چاک گریبان) میں اپنی روح پھونک دی اور انہوں نے اپنے پور دگار کے پیاموں کی اور اس کی کتاب کی تقدیق کی، اور وہ اطاعت کرنے والوں میں سے تھیں)۔

لیکن حیف صد حیف کہ موجودہ مغربی سوسائٹی میں عورت دست بردازمانہ کا شکار بنتی ہوئی ہے، اور ذلت و سکنت سے دوچار ہے، باوجود اس کے کہ وہ تاریخ کے ہر دور میں انسانی زندگی کے لیے بنیادی عضر تسلیم کی جاتی رہی ہے، اور آج جہاں کہیں بھی اس کو معاشرہ میں بطور آئیڈیل پیش کیا جا رہا ہے، تو اس کے پیچھے چند مقاصد و عوامل کا فرمایا ہے، جیسے بدترین استھان، مشاطہ گری کے اسباب کا حصول وغیرہ، جب کہ یہ اس کی فطرت کے خلاف ہے، اور اس کی عفت و عصمت کو تارتار کرنے والے ہیں، کیا یہ آیت کریمہ انسان (خواہ مرد ہو یا عورت) کی بلندی درجات کی طرف اشارہ نہیں کرتی ہے: «يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا أَغْرَكَ رَبِّنِكَ الْكَرِيمَ الَّذِي خَلَقَكَ، فَسَوَّكَ فَعَنَّكَ فِيْ إِيْ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَبُّكَ» [الانفطار: ۸۶] (اے انسان! تجھے (آخر) کس چیز نے اپنے پور دگار کریم سے متعلق بھول میں ڈال رکھا ہے، وہ

مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: کیا بات ہے کہ ہمارا ذکر قرآن میں نہیں ہے، جس طرح مردوں کا تذکرہ ہے، فرماتی ہیں: اس کے پچھوں دونوں کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمبر پر خطبہ دے رہے تھے اور سورہ احزاب کی مذکورہ بالا آیت کی تلاوت فرمائی ہے تھے: ان المسلمين والمسلمات والمؤمنين والمؤمنات.....

گویا کہ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمان مرد کے ساتھ مسلمان عورت کے اندر بھی گہرا ایمانی شعور ہونا چاہیے، کیونکہ کتاب و سنت کے اتارے جانے کا بنیادی مقصد اولاد کی بہترین تربیت اور نیک سماج کی تعمیر ہے، اور نسل میں ایسے اخلاقی اور انسانی اقدار کی ختم ریزی کرنا ہے جو خالق مخلوق دونوں کے درمیان مسمم اور قابل قبول ہوں۔

قرآن کریم نے حضرت نوحؐ اور حضرت لوطؐ کی بیویوں کو کافروں کے لیے پیش کیا ہے، جبکہ فرعون کی بیوی اور حضرت مریمؑ کو اہل ایمان کے لئے بہترین مثال قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: «صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَةُ نُوحٍ وَمَرْأَةُ نُوَطِّ، كَاتَنَتْ تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عَبْدَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَاتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقَلِيلٌ أَدْخَلَ اللَّارَ مَعَ الدَّالِحِلِينَ، وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ امْنَوْا امْرَأَةً فَرُعَوْنٌ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لَهِ عَنْدَكَ شَيْئًا فِي الْجَنَّةِ وَنَحْنُ نَحْنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمْلِهِ وَنَجْنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ، وَمَرِيمَ ابْنَةَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوْحِنَا وَصَلَقْتُ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُنْكُهُ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ» [التحريم: ۱۰-۱۲] (الله ان لوگوں کے لیے جو کافر ہیں مثال بیان کرتا ہے، نوحؐ کی بیوی اور لوطؐ کی بیوی کی، وہ دونوں ہمارے (خاص) صالح بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح

## بحث و نظر

# حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علم حدیث

## مولاناڈا اکٹر تقی الدین ندوی

سے بارہ برس اس طرح گزرنے کے بعد حریم شریفین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا، اور آخر ۱۱۳۳ھ میں یہ فقیر حج سے مشرف ہوا اور ۱۱۳۴ھ میں مکہ معظمه و مدینہ منورہ کی مجاورت اور شیخ ابو طاہر قدس سرہ دیگر مشارک حرمین سے اخذ روایت حدیث کی سعادت حاصل ہوئی، مدینہ منورہ کے دوران قیام میں روضۃ مقدسہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم میری توجہ کا خاص مرکز رہا، اور الحمد للہ کہ مجھ فقیر پر اس قدسی دربار سے فیوض و برکات کی بے پایاں بارش ہوئی، نیزاںی سفر میں حریم شریفین اور عالم اسلامی کے بہت سے علماء کرام کے ساتھ خوب صحبوتوں کا موقع ملا، حضرت شیخ ابو طاہر کردی مدینی قدس سرہ کی طرف سے تمام طرق صوفیہ کا جامع خرقہ بھی اسی باہر کت سفر میں عنایت ہوا، پھر ۱۱۳۴ء میں وطن کی طرف واپسی ہوئی اور بتاریخ ۱۳ ارجب ۱۱۳۵ھ ٹھیک جمع کے دن بفضلہ تعالیٰ صبح وسلامت وطن والوف دہلی پہنچ گیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: ”علم حدیث پدر مکن از مدینہ منورہ آورده، چارہ ماہ درحریمین بسر بوده سند کرده“ یعنی میرے والد ہی شریفین میں رہ کر آپ نے سند حاصل فرمائی تھی۔ شاہ صاحبؒ کی علمی استعداد کا اندازہ اس تک پڑھی تھی، اور بخاری شریف کا ایک حصہ یعنی کتاب الطہارۃ تک۔

اور نماہب اربعہ کی فقہ اور ان کی اصول فقہ کی کتابوں اور ان احادیث کے غائر مطالعہ کے بعد جن سے وہ حضرات اپنے مسائل میں استناد سے لیتے ہیں مگر ان سے حدیث کے معانی میں حاصل کرتا ہوں۔

شاہ صاحبؒ دل نشیں ہوا، غرض والد ماجد کی وفات

### حدیث شریف دیا۔

نویں صدی ہجری میں گجرات میں ”حدیثنا وأخبرنا“ کا غلغله بلند ہوا، شیخ علی مقی صاحب ”کنز العمال“ و شیخ محمد طاہر پٹی صاحب ”مجمع البخار“ کے وجود سے وہاں علم کی خوبگرم بازاری رہی، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے وجود سے ہندوستان بالخصوص شہابی ہند میں آپ کی ذات سے علم حدیث کا چرچا ہوا۔

سطور بالا میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے اس کا مقصد ایک اجمالی تعارف ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے پیشتر ہندوستان علم حدیث سے بیگانہ نہیں تھا، البتہ شاہ صاحبؒ کے ذریعہ آج اس ملک کا منارہ بھگا اللہ اتنا بلند ہے کہ بلا مبالغہ اب

مجد علم و حکمت حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سر زمین ہند کے ان علماء میں ہیں جن کی نظرینہ صرف ان کے معاصرین اور ہندوستان میں بلکہ عالم اسلامی میں بھی نہیں ملتی۔

ہمارے اس ملک میں آج جو علم و حکمت باقی ہے وہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا صدقہ ہے بالخصوص علم حدیث کا اس ملک میں جو چرچا ہے اور بارہویں صدی سے آج تک پوری دنیا کے اسلام میں علماء ہندوستان کو جو خصوصی امتیاز رہا ہے، وہ سب حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا رہیں منت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ سر زمین ہند پر اسلام کی کرنسی قرن اول ہی میں پہنچ چکی تھیں، مگر ۲۰۲۵ھ کے بعد جو قطب الدین ایک کا عہد ہے، باقاعدہ اسلام نے اس ملک کو اپنا وطن بنایا، درہ خیر سے آنے والوں میں حدیث کا کوئی مستند عالم نہیں ہوا، صرف شیخ اسماعیل محدث کی ذات مستثنی ہے، یہ پہلے شخص ہیں جو ہندوستان میں علم حدیث و تفسیر کو لاہور میں لائے، ان کی وفات ۳۳۰ھ میں ہوئی۔

آٹھویں صدی میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد رشید حافظ سخاوی کے متعدد شاگرد ہندوستان آئے جن میں دو ہستیاں خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ایک مولا نار فیع الدین صفوی جنہوں نے شہابی کے مشہور شہر آگرہ میں درس حدیث کا حلقة قائم کیا اور دوسرے مولا نارانج بن داؤد نے گجرات کے مشہور شہر احمد آباد میں مدت تک درس

جوقرآن کے محل حکم کی تشریح ہے، تیسرا وہ جس کا ذکر بظاہر قرآن پاک میں نہ تفصیل ہے اور نہ اجمالاً اس کے متعلق امام شافعیؓ نے علماء کے چار نظریے نقل کیے ہیں، لیکن صحیح مسلک یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اقوال بھی صحیفہ ربانی سے مستبطن ہیں۔

شah صاحبؒ کے نزدیک بھی حدیث کے تمام ابواب کتاب اللہ سے مستبطن ہیں، اپنی کتاب ”خیر کشیر“ میں فرماتے ہیں: ”میں کتاب الصلوٰۃ کے متعلق صحیح حدیثوں کو قرآن سے مستبطن کرنے پر قادر ہو گیا ہوں، میراجی چاہتا ہے کہ اس کے متعلق ایک رسالہ لکھ دوں“، اس کی تفصیل بھی فرمائی ہے اور اس کے نمونے منتشر طور پر ان کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں جن سے اس موضوع پر آئندہ کام کرنے میں پوری طرح رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

### حدیث و فقہ کا دربط

جس طرح حدیث کتاب اللہ کی شرح ہے، اسی طرح فقهاء کے اجتہادات درحقیقت احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح و تفصیل ہیں، شah صاحبؒ جس دور میں پیدا ہوئے تمام بلاد اسلامیہ میں علم حدیث پر زوال آچکا تھا، بالخصوص ترکستان، ایران و مادراء انہر کے حنفی فقهاء کی ساری دلچسپیاں صرف فقہ و مقولات و تصوف سے تھیں، فقہ کارشنہ گویا حدیث سے الگ ہو کر رہ گیا تھا، شah صاحبؒ نے اپنی تصانیف میں پوری قوت سے حدیث و فقہ کے رشتہ کو اجاگر کیا، کیوں کہ حدیث سے بے تعلق رہنے کی وجہ سے حنفی، شافعی، گروہی عصوبیوں کا بازار گرم تھا، ہر ایک دوسرے کی تردید و تخلیط میں مشغول تھا، حالانکہ ائمہ فقہ میں ہر امام کا استدلال کسی نہ کسی حدیث سے ہے، شah

ایک رسالہ شرح تراجم ابواب بخاری پر لکھا ہے، جو عرصہ ہوا طبع ہو چکا ہے، ابتداء رسالہ میں چودہ اصول بیان فرمائے ہیں، جن کے بارے میں خود شاہ صاحبؒ کا راشاد ہے کہ ہر طالب علم کے لیے ان اصولوں کا یاد رکھنا واجب ہے، ہر حال مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کی تدریس حدیث کا کیا طرز تھا، آج ہمارے مدارس میں صحاح ستہ کی تدریس کو دورہ حدیث کہتے ہیں، اس کے باñی اول فی الواقع حضرت شاہ ولی اللہ تی کی ذات گرامی ہے۔

### تصنیف و تالیف کی داہ میں

#### خدمتِ حدیث

شاہ صاحبؒ کا بیش قیمت علمی ترکہ پوری ملت اسلامیہ اور پورے عالم اسلام کے لیے سرمایہ فخر ہے لیکن اس علمی حقیقت تک ان لوگوں کی رسائی جن کو شاہ صاحبؒ کے خارق عادت علمی و فتنی کمالات کا مشاہدہ (بعد زمانی و بعد مکانی کی وجہ سے) نصیب نہیں ہو سکا، آپ کی تصانیف ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اس تیرے طریقہ کا شاہ صاحبؒ نے واعظوں و قصہ خوانوں کا طریقہ قرار دیا ہے اور دوسرے طریقہ کو مبتدیوں کے لئے مفید بتایا ہے اور پہلا طریقہ دورہ حدیث کے لئے قرار دیا، اس لئے شاہ صاحبؒ کے بیہاں مشکلہ شریف بحث و تحقیق سے اور صحاح ستہ سرداہی پڑھائی جاتی تھی، البتہ صحاح ستہ میں ہر کتاب کی کچھ خصوصیات ہیں، ان پر طلبہ کو منتبہ کیا جاتا ہے، مثلاً بخاری کی عرض احادیث صحیحہ کے انتخاب کے ساتھ طرق انسناط ہے، اس لیے صحیح بخاری کے تراجم ابواب نہایت مقتم باشان سمجھے گئے ہیں اور اہل درس کا مشہور مقولہ ہے: ”فقہ البخاری فی تراجمہ“ یعنی بخاری کا سارا اکمال ان کے تراجم ابواب میں ہے۔ شاہ صاحبؒ نے

### كتاب و سنت کاباهم دبط

قرآن و حدیث میں متن و شرح کاربطة ہے، کتاب اللہ بمنزلہ متن ہے، اور حدیث بمنزلہ شرح، قرآن مجید میں بھی اس پر تنیہ کی گئی ہے، امام شاطبیؓ لکھتے ہیں:

”فَكَانَتِ السُّنَّةُ بِمَنْزِلَةِ التَّفْسِيرِ وَالشَّرْحِ لِمَعْنَى أَحْكَامِ الْكِتَابِ“ یعنی گویا سنت، کتاب اللہ کے احکام کے لیے بمنزلہ تفسیر و شرح کے ہے۔

امام شافعیؓ نے اپنی مشہور تصنیف ”الرسالہ“ میں احادیث کی تین قسمیں بیان کی ہیں، ایک وہ جو بعینہ قرآن پاک میں مذکور ہے دوسری وہ

کی تکمیل کے لیے ہندوستان واپس ہوئے تھے، ان میں علم حدیث کی نشر و اشاعت کو سب سے زیادہ اہم رکھا، مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے استاذ حدیث سے آپ نے ارشاد فرمایا: ”ہرچہ خواندہ ام فراموش کرہ ام العلم دین (حدیث)“، یعنی میں نے جو کچھ پڑھا تھا سب بھلادیا، بھر علم حدیث کے۔

### شاہ صاحبؒ کا درس حدیث

شاہ صاحبؒ حجاز مقدس سے ہندوستان واپس تشریف لائے، اور یہاں آکر تین مشغله اختیار فرمایا، شاہ عبد العزیزؓ ہی کا بیان ہے: ”خود معارف کے بیان کرنے اور لکھنے کا کام کرتے، اور صرف حدیث پڑھاتے“۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: حر میں میں درس حدیث کے تین طریقے ہیں: (۱) سردو (۲) بحث و تحقیق (۳) درس کا وہ طریقہ ہے جس کا نام امعان و تعمق کا طریقہ ہو سکتا ہے یعنی ہر ہر لفظ اور اس کے سارے متعلقات مالہا و مالیہ پر بحث کی جائے، اس تیرے طریقہ کا شاہ صاحبؒ نے واعظوں و قصہ خوانوں کا طریقہ قرار دیا ہے اور دوسرے طریقہ کو مبتدیوں کے لئے مفید بتایا ہے اور پہلا طریقہ دورہ حدیث کے لئے قرار دیا، اس لئے شاہ صاحبؒ کے بیہاں مشکلہ شریف بحث و تحقیق سے اور صحاح ستہ سرداہی پڑھائی جاتی تھی، البتہ صحاح

ستہ میں ہر کتاب کی کچھ خصوصیات ہیں، ان پر طلبہ کو منتبہ کیا جاتا ہے، مثلاً بخاری کی عرض احادیث صحیحہ کے انتخاب کے ساتھ طرق انسناط ہے، اس لیے صحیح بخاری کے تراجم ابواب نہایت مقتم باشان سمجھے گئے ہیں اور اہل درس کا مشہور مقولہ ہے: ”فقہ البخاری فی تراجمہ“ یعنی بخاری کا سارا اکمال ان کے تراجم ابواب میں ہے۔ شاہ صاحبؒ نے

الاقوامی واجتمائی مسائل میں فرمودات نبوی میں وقت کے نئے نئے تقاضوں اور اجھنوں کا کیا حل پیش کیا ہے؟! اس سلسلے میں شاہ صاحبؒ کی تصنیفات سے بہت کچھ استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

### شاہ صاحبؒ کے سلسلہ

#### حدیث کی مقبولیت

آج ہندوستان میں علم حدیث کا جوزور وشور ہے، بالواسطہ یا بالواسطہ اس کی انتہا حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ملخصہ مجاہدوں پر ختم ہوتی ہے، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے امیر خاں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ: سفرِ حج میں حضرت کا جہاز یمن کے ساحل کے سی بندرگاہ پر پڑھر گیا، معلوم ہوا کہ چند دن ابھی رکار ہے گا، حضرت نانوتویؒ کو کسی نے خبر دی کہ اس بندرگاہ کے شہر میں ایک کہنہ سالِ عمر بزرگ محدث رہتے ہیں، ان کی ملاقات کو حضرت تشریف لے گئے، مل کر مولانا نانوتویؒ ان کے علم سے بہت متاثر ہوئے اور درخواست کی کہ سنن اجازت عطا ہو، اس پر محدث صاحب نے پوچھا کہ تم کس کے شاگرد ہو؟ انہوں نے اپنے استاد مولانا عبدالغنی مجددی کا نام لیا، محدث صاحب ناواقف تھے، پوچھا مولانا عبدالغنیؒ کس کے شاگرد ہیں؟ جواب ملا شاہ احسانؒ تھیت یہ ہے کہ ان بزرگوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی حیثیت اشارات و نکات سے زیادہ نہیں ہے، لیکن اس اہتمام و جامعیت اور وسعت کے ساتھ اسلام کی حکیمة تشریح ہمیں شاہ صاحبؒ سے پہلے نہیں ملتی، شاہ صاحبؒ نے آنے والے حالات و ضروریات کے احساس کے تحت حدیث کے عام و متعارف مباحث کے علاوہ اجتماعیات و اقتصادیات کے غیر متعارف اور حد درجہ مفید مباحث اپنی تصانیف میں پھیلایا ہے، عہد حاضر میں ضرورت ہے کہ حدیث کے ذخیرے پر اس نقطہ نظر سے دوبارہ نظر ڈالی جائے کہ میں جہاں شاہ ولی اللہؒ کا سلسلہ ہے، وہاں جنت ہے اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں ہے وہاں جنت نہیں۔



ابواب سے لگایا جاسکتا ہے، ان ابواب میں احادیث کے جو حقائق و رموز بیان فرماتے ہیں، تحقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کے اس دعویٰ کی تردید نہیں کی جاسکتی، فرماتے ہیں: ”حدیث کے اسرار اور اسلامی احکام و قوانین کی مصلحتیں اور تر غیبات کی حکمت اور وہ ساری باتیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے، ان سب کے اسرار و رموز کو بیان کرنا دراصل ایک فن ہے، اس فقیر سے پہلے جتنی پختہ باتیں میں نے کہی ہے کسی سے یہ بن نہ آیا، اس فن کی بلندی مقام کے باوجود اگر کسی کو میرے بیان میں شبہ ہے تو چاہیے کہ کتاب ”قواعد“ کو دیکھئے، شیخ عز الدین بن عبد السلام نے اس میں کیا کچھ کوشش نہیں فرمائی ہے مگر اس فن کے عشر عشیر تک ان کی رسائی نہ ہو سکی۔

شاہ صاحبؒ کے لیے یہ نیا موضوع نہیں جیسا کہ جیۃ اللہ البالغہ کے مقدمہ میں خود فرماتے ہیں، امام غزالیؒ، امام خطابیؒ اور عز الدین بن عبد السلام نے احکام شرعی کے حکم و مصادر بیان کئے ہیں، لیکن تحقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی حیثیت اشارات و نکات سے زیادہ نہیں ہے، لیکن اس اہتمام و جامعیت اور وسعت کے ساتھ اسلام کی حکیمة تشریح ہمیں شاہ صاحبؒ سے پہلے نہیں ملتی، شاہ صاحبؒ نے آنے والے حالات و ضروریات کے احساس کے تحت حدیث کے عام و متعارف مباحث کے علاوہ اجتماعیات و اقتصادیات کے غیر متعارف اور حد درجہ مفید مباحث اپنی تصانیف میں پھیلایا ہے، عہد حاضر میں ضرورت ہے کہ حدیث کے ذخیرے پر اس نقطہ نظر سے دوبارہ نظر ڈالی جائے کہ میں

صاحبؒ نے جس طرح فتح خفی کو پڑھا اسی طرح ائمہ ٹلاشہ کی فقہ کا گھری نظر سے مطالعہ کیا، بالخصوص امام شافعی کی ”کتاب الام“ تو بکثرت مطالعہ میں رہی، جیۃ اللہ البالغہ، عقد اجید، میں اس سے جا بجا نقل بھی فرمایا ہے، شاہ صاحبؒ نے ائمہ مجتہدین اور ان کے اجتہادات کا جو صحیح مقام تھا، اسے واضح کیا اور یہ بتایا کہ فقہ اسلامی اور اسلامی قوانین کا تعلق کتاب و سنت کے سرچشمتوں سے ہے، ضرورت ہے کہ یہ تعلق مسلسل ترویازہ رہے اور ہر مذہب کا پیروان علل و اسباب سے واقف رہے جن کی روشنی میں اس کے امام نے اپنی رائے قائم فرمائی ہے، تاکہ مذہبی عصوبیت کا زبردست ہو، اس سلسلے میں رسالہ الانصار، عقد اجید، جیۃ اللہ البالغہ کے بعض ابواب بالخصوص موطا کی تحریخ فارسی مصطفیٰ اور عربی تعلیق مسوئی سے پوری طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے، نواب صدیق حسن خاںؒ مشہور عالم حدیث لکھتے ہیں: شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنا یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ اجتہادی مسائل کو قرآن و سنت پر پیش کرتے ہیں اور مسائل فہمیہ کے ہر ہر باب کو قرآن و حدیث پر تطبیق دیتے ہیں اور ان کا یہ تمام طریقہ مذہب خفی ہے، شاہ صاحبؒ خفیہ کے اس قول کو ترجیح دیتے تھے، جو انہیں کتاب و سنت سے اقرب معلوم ہوتا تھا، اس میں حدیث فہمی کا کامل معیار پیش کیا ہے اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی راہ اچھی طرح کھول دی ہے۔

**دموز شریعت و اسرار د سنت**  
شاہ صاحبؒ کی تصنیفات عام زمانہ کی روشن سے بالکل مختلف ہیں، علم حدیث پر شاہ صاحبؒ نے جس نجح پر کام کیا اور اس کے اسرار و حکم کو قلمبند فرمایا، اس کا اندازہ جیۃ اللہ البالغہ از کتاب الایمان تاثیم کتاب اور ازالۃ الخفاء کے بعض

## ایمانی اخوت کا مضمون و ترتیبِ رشته

مولانا بلال عبدالحی حسني ندوی

اعبار سے لے رہے ہیں، کسی کو کسی سے کوئی عار ہے نہ پیر، یہ اسی اسلامی اخوت کا نمونہ تھا کہ عرب کے سردار فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک جب شیخ زاد سیاہ قام کے بارے میں "سیدنا" ہمارے آقا کے الفاظ استعمال کر رہے ہیں، حضرت بلال مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رتبہ کہاں سے ملا؟ یہ اس اسلامی اخوت کا نتیجہ تھا۔

حضرات صحابہؓ کا مزاج بن چکا تھا، وہ اس اسلامی اخوت کے حامل و ترجمان تھے، پھر بھرت مدینہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ نے موآخات کی جو فضا قائم فرمائی، مهاجرین و انصار کے درمیان اس کے نتیجہ میں جو محبت قائم ہوئی تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی، ایک ایک مهاجر کو انصاری کا بھائی قرار دیا گیا، حضرات انصارؓ نے اس کا حق ادا کر دیا، اپنا کل مال و حصوں میں تقسیم کر دیا اور مهاجرین کو اس میں پوری طرح شریک کرنا چاہا، اس کی انتہائی مثال یہ ہے کہ ایک انصاری نے کہا کہ میری دو بیویاں ہیں، آپ جس کو پسند کرنا چاہیں قبول کر لیں، میں طلاق دے دیتا ہوں، آپ اس سے نکاح کر لیں، حضرات مهاجرینؓ نے اس پر راضی ہوتے، انہوں نے کہا کہ بازار کا پتہ بتا دیجیے، یہ مال آپ کو مبارک ہو، اسی اسلامی اخوت کا نتیجہ تھا کہ اوس و خزر ج کے قبائل جن کی دشمنی سالہا سال سے چلی آرہی تھی، جنگ بعاث جن میں چالیس سال تک جاری رہ پچھلی تھی، اسلام نے اس طرح ان کو جوڑ دیا کہ آج دونوں کی الگ الگ پیچان مشکل ہے، دنیا دونوں قبیلوں کو انصار کے نام سے جانتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس احسان کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا ہے: "وَأَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً

فرمائی کہ وہ ان تعلیمات میں داخل گئے، اسلامی اخلاق و تعلیمات اور اجتماعی زندگی کے اصول ان کے مزاج میں داخل ہو گئے، اسی لیے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا: "أنصر أخاك ظالماً أو مظلوماً" اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم تو انہوں نے فوراً کہا: "ننصره مظلوماً" ہم مظلوم کی مدد کر سکتے ہیں، فیکیف ننصر ظالماً" ظالم کی مدد کیسے کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمنعوا من الظلم" اس کو ظلم نہ کرنے دو، یہی اس کی مدد ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے ان کے مزاج بدل گئے، کل تک جن کی زبانیں اسی نعرہ کو دہراتے دہراتے نہ تھکتی تھیں، آج جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے یہ جملہ دہرایا تو وہ چونک گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا رخ پھیر دیا اور اس کی حقیقت بیان فرمادی کہ تم جس کی مدد سمجھتے ہو وہ دشمنی ہے، مدد تو یہ ہے کہ ظالم کو ظلم سے روک دیا جائے تاکہ وہ اس کے اخروی اور حقیقی نقصانات سے محفوظ رہے۔

اسی پاکیزہ اسلامی بھائی چارہ کا اثر تھا کہ اسلام پھیلتا جاتا تھا اور اسلامی برادری بڑھتی جاتی تھی، اس میں رنگ و نسل کی کوئی تیزی نہ تھی، کوئی جہش کا ہے تو کوئی فارس کا، کوئی خالص عربی انسل ہے تو کوئی عجم کے خاندان کا فرد ہے، سب ایک دستِ خوان کے شریک ہیں، سب اپنے اپنے ظرف کے وابستہ تھے، ان کا نعرہ تھا "أنصر أخاك ظالماً أو مظلوماً" ہر صورت میں بھائی کی مدد کرنی ہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد اسلامی اخوت کا جو رشتہ عطا فرمایا، اس کو پاکیزہ اصولوں کے ساتھ جوڑا اور اس کی روشنی میں ان اولین مسلمانوں کی ایسی تربیت

ہوتے ہیں، کیونکہ پہلے سے واقف ہوتے ہیں گویا تلفیاں جھگڑوں کی بنیاد پر ہیں، اگر تو قوی مزاج میں داخل ہوگا تو دلوں میں صفائی پیدا ہوگی، قلبی امراض سے شفا ملے گی، دل آئینہ کی طرح شفاف ہو جائے گا، اپنی برا بیان نظر آنے لگیں گی، اب دوسروں کی آنکھ کے تنکوں بلکہ شہیر کے بجائے اپنی آنکھ کے تنکے نظر آئیں گے، دوسروں کے لیے چشم پوشی کا مزاج بنے گا، اور اس کے نتیجہ میں بہتر سے بہتر ماحول پیدا ہوگا، دونوں فریقوں کو بھی صلح کے لیے تقویٰ اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور ثالثی کرنے والے اور صلح صفائی کرانے والے کو بھی تقویٰ کی ضرورت ہے تاکہ وہ جنبہ داری نہ برتبے، فیصلہ کرتے وقت اللہ کا لحاظ اور اس کا ذرہ ہو۔

مجموعی اعتبار سے اس تقویٰ کے نتیجہ میں جب میل ملاپ کا ماحول بنے گا، ایک دوسرے کا خیال ہوگا تو یہ چیزوں بھی رحمت الہی کو متوجہ کرنے والی ہے۔

علمی اخوت اسلامی کی یہ دعوت ہی نہیں بلکہ حقیقت ایمان کا یہ نتیجہ ہے جس کو آیت شریفہ میں بیان کر دیا گیا ہے، اور یہ نتیجہ جب ہی ظاہر ہوگا جب ایمان اور ایمان کے تقاضوں کو سمجھ کر ان پر عمل کا جذبہ ہوگا، جب مومن اپنے مومن بھائی کے لیے وہی پسند کرے گا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، جب وہ اپنے مومن بھائی کو نہ رسوای کرے گا نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے گا، بلکہ اگر ضرورت پڑے گی تو اس کے لیے سپر بن جائے گا، یہ ہے وہ ایمانی اخوت کا ممبوطہ تر رشتہ جس کے نتیجہ میں ایک صحابیؓ نے جان دے دی لیکن اپنے پیاسے ایمانی بھائی سے پہلے پانی پینا گوارہ نہ کیا۔



کے بارے میں پہلے سے واقف ہوتے ہیں گویا اس میں یہ اشارہ ہے کہ تم اخوت ایمانی سے واقف ہو تو تمہیں اس کا خیال رکھنا چاہیے، آگے بطور خاص اس چیز کا ذکر کیا جا رہا ہے جس کی تہیید کے طور پر ”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةً“ کہا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: ”فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخْوَيْكُمْ“ (اپنے بھائیوں میں صلح کر دو)۔

یہ پوری آیت درحقیقت گذشتہ آیت کا تتمہ ہے جس میں یہ حکم تھا کہ اگر دو مسلمان گروہوں میں تصادم ہو جائے تو تمہیں صلح صفائی کر ادینی چاہیے، یہاں اس کی تحریض کی جا رہی ہے، اور اس کی وجہ بھی بیان ہو رہی ہے کہ اگر دو بھائیوں میں جھگڑا ہو جائے تو یقینہ بھائیوں کو رشتہ محبت کی بنا پر اس کی فکر ہوتی ہے کہ دونوں کو ملا دیا جائے تاکہ سب کو اس مصیبت سے نجات ملے اور زندگی کا مزہ آئے، اسی طرح ایمانی رشتہ اخوت میں بھی جو کسی طرح بھی خونی رشتہ سے کم نہیں بلکہ بعض وجوہات کی بنا پر اس سے بڑھ کر ہے، یہی فکر ہونی چاہیے، اگر دو ایمان والوں میں یادو مسلمان گروہوں میں نزاع ہو تو یقینہ ایمان والے بھائیوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ صلح صفائی کی فکر کریں تاکہ بہتر ماحول پیدا ہو، آپس کے تعلقات استوار رہیں اور جیسے کامزہ آئے، آیت کے اخیر میں فرمایا: ”وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“ (اور اللہ کا تقویٰ اختیار کروتا کہ تم رحمتیں نازل ہوں) اس میں خطاب صرف صلح کرانے والوں کو ہی نہیں ہے بلکہ دونوں جھگڑنے والے فریق بھی اس میں شامل ہیں، اور تمام مسلمانوں کے لیے ایک عمومی حکم بھی ہے، تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے سے مومن اللہ کی رحمت خاص کا مستحق بنتا ہے، عام طور پر جھگڑے دل کے میل سے پیدا

فالفَ يَئِنْ قُلُوبُكُمْ فَأَصْبَحُتُمْ بِيَعْمَلِهِ إِخْوَانًا“ (اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم (اس میں ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اس (اللہ) نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، سو تم اس کی نعمت سے (اس میں) بھائی بھائی ہو گئے)۔

سورۃ الحجرات کی دسویں آیت میں اسی بات کو تازہ کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: ”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةً“ (ایمان والے تو آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔

آیت کے اس حصہ میں کئی باتیں قبل غور ہیں، بھائی کا بھائی سے کیا رشتہ ہوتا ہے، کسی محبت ہوتی ہے، آج خالص مادی دور میں شاید اس کو سمجھنا مشکل ہو، یورپ کے خالص مادی اور میکانی نظام زندگی نے ساری انسانی قدریں خاک میں مladیں، اخبار میں اکثر یہ خبریں بھی آنے لگی ہیں کہ ماں نے بیٹے کو قتل کیا، نوزاںیدہ کو اس کی ماں کوڑے دان میں ڈال گئی، بعثت نبوی سے پہلے عربوں میں ہزار جاہلیت کے باوجود یہ درندگی نہ تھی، وہ بھائی کے رشتہ محبت سے آشنا تھے، اسی رشتہ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، ایک بھائی کا بھائی سے جو تعلق ہوتا ہے وہی تعلق ایک ایمان والے کا دوسرے ایمان والے سے ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ تشییع میں کوئی واسطہ اختیار نہیں کیا گیا، یہ نہیں کہا گیا کہ ایمان والے بھائیوں کی طرح ہیں، براہ راست کہا جا رہا ہے کہ وہ تو بھائی بھائی ہیں، تیسرا ایک بات اور قبل توجہ ہے، وہ یہ ہے کہ بات کہنے سے پہلے ”إِنَّمَا“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، عربی گرامر کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر لفظ ”انما“ کے ساتھ کسی چیز کی خبر دی جائی ہی ہو تو وہ خبر بالکل نئی نہیں ہوتی، لوگ اس

## مسلم پرسنل لا عصر حاضر

# خواتین کے حقوق کا محافظ یا مردوں کا طرفدار؟

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

بلا غدر معمول نکاح سے گریز کرے، تو قاضی یا نسبتاً دور کے ولی کو بھی نکاح کر دینے کا حق حاصل ہوگا، دفعہ: ۱۰۳ میں یہ بات لازم قرار دی گئی ہے کہ عاقله، بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت ہی سے کیا جائے، ورنہ نکاح درست نہیں ہوگا، دفعہ: ۱۲۲ میں عورت کو اختیار دیا گیا ہے کہ شوہر اس کا ہم پلہ نہ ہو تو وہ اپنا نکاح فتح کر سکتی ہے۔

اس مجموعہ میں مہر کے احکام بہت تفصیل و تاکید کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، دفعہ: ۱۲۸ میں کہا گیا ہے کہ اگر عورت سے نکاح کے وقت مہر نہ ہونے کی شرط کر لی جائے، تب بھی مہر واجب ہوگا، اگر نکاح کے وقت مہر متعین نہ ہو، تو مہر مثل یعنی خاندان کی دوسرا عورتوں کے مہر کی مقدار میں مہر واجب ہوتا ہے، دفعہ: ۱۲۸ میں اس کے لیے عورت کے آبائی خاندان کو معیار بنا یا گیا ہے، دفعہ: ۱۵۰ میں یہ بات کہی گئی ہے کہ اگر مہر مچل ہو، تو عورت اس کی ادائیگی تک اپنے آپ کو روک سکتی ہے۔

اسی طرح اس مجموعہ میں نفقہ سے متعلق احکام تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں اور اس کا بنیادی مقصد عورت کے حقوق کا تحفظ ہے، دفعہ: ۱۲۳ میں کہا گیا ہے کہ بیوی مسلمان ہو یا کتابیہ، امیر ہو یا غریب، تدرست ہو یا بیمار، اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا، نکاح کے بعد عورت میکہ ہی میں ہو؛ لیکن اسے اپنے شوہر کے بیہاں جانے سے انکار نہ ہو تو دفعہ: ۱۲۲ میں اس کا نفقہ بھی شوہر کے ذمہ واجب قرار دیا گیا ہے، دفعہ: ۱۷۲، ۱۷۳ میں شوہر کی اجازت سے میکہ میں مقیم عورت نیز وہاں رہتے ہوئے اس کا علاج اور ولادت کے موقع پر ہوگا، دفعہ: ۹۱ میں یہ بات کہی گئی ہے کہ لڑکی کا ولی آنے والے اخراجات شوہر کے ذمہ واجب قرار

سے اکثر مواقع پر تقاضہ کو قائم رکھا ہے، انسان اگر اعتدال ہے، اردو زبان میں عدل کے معنی اسے مٹانا چاہے تو یہ فطرت سے بغاوت ہو گی اور فطرت سے بغاوت ہمیشہ نقصان ہی پہنچاتی ہے۔ دشمنوں کا تو کیا ذکر افسوس کہ بعض نادان دوستوں کا بھی خیال ہے کہ: ”مسلم پر سُنْ لَا اور اس کی حفاظت کے لیے قائم متعدد پلیٹ فارم مسلم پر سُنْ لَا بُرُودُ“، مردوں کا طرف دار ہے، اور اس کی ساری لڑائی مردوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے ہے، یہ بالواسطہ طریقہ پر خود اسلام اور قانون شریعت پر جملہ ہے؛ لیکن بہر حال حقیقت اس کے برخلاف ہے، اگر کچھ نہیں تو بورڈ کے مرتب کے ہوئے ”مجموعہ قوانین اسلامی“ ہی کو وہ گہری نظر سے دیکھتے، تو ان کو ہرگز یہ غلط فہمی نہیں ہوتی، مجموعہ کی دفعہ: ۲ میں نکاح کو مردوں عورت کے درمیان شرعی اصولوں پر طے پانے والا معاہدہ قرار دیا گیا ہے، اس طرح مردوں عورت کو اس معاہدہ کا دفتریق تسلیم کیا گیا ہے، نہ کہ مردوں کو مالک اور عورتوں کو ان کی ملکیت، نکاح میں عورت کے اختیار اور اس کی رضا کو اہمیت دیتے ہوئے، نیز اس کے مفادات کی حفاظت کرتے ہوئے دفعہ: ۸۳ میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی معاملہ میں باپ، دادا کی خود غرضی، لائق، ذاتی مفادا کی رعایت وغیرہ ثابت ہو، تو اس نے نابالغ لڑکی کا جو نکاح کیا ہو، وہ لازم نہیں برابری کے اصول پر نہ بنا یا ہے اور نہ بسا یا ہے؛ بلکہ فطرت نے صلاحیتوں اور ضرورتوں کے اعتبار

باب دفعہ: ۳۲۲ تا ۳۲۳ پر مشتمل ہے، ان دفاتر میں ان عورتوں کی دشواری کا حل پیش کیا گیا ہے، جو شوہر کی طرف سے ظلم یا حق تلفی کا شکار ہیں، خواہ یہ حق تلفی قصداً ہو یا بجز و مجبوری کے تحت، اور ان صورتوں میں فتح نکاح کی گنجائش رکھی گئی ہے، دفعہ: ۳۲۳ شق: ”د“ میں یہ بات کہی گئی ہے کہ اگر بیوی کو کوئی چیز ہبہ کی گئی ہو، تو اس سے رجوع نہیں کیا جاسکتا، گوزجین کے درمیان علاحدگی ہو گئی ہو، قانون میراث میں بیوی، بیٹی، بہن، ماں، نانی، والدی وغیرہ کے حقوق تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں اور اسی طرح بعض لوگ جو بیٹی بہن وغیرہ کو حق میراث سے محروم کر دیتے ہیں، ان کو خواتین کے حق کے سلسلہ میں تنبیہ کی گئی ہے۔

یہ عالمی زندگی سے متعلق آل انڈیا مسلم پرنل لاء بورڈ کے مرتب کیے ہوئے ”مجموعہ قوانین اسلامی“ کا سرسرا جائز ہے، جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قانون شریعت میں خواتین کی کتنی زیادہ رعایت ہے اور بورڈ نے اس کو دفعہ وار مجموعہ کی شکل دے کر خواتین کے حقوق کا تحفظ کرنے کی کتنی بہتر اور موثر کوشش کی ہے؟ اس کے علاوہ بورڈ نے ایک نکاح نامہ بھی مرتب کیا ہے، اس نکاح نامے کا بھی اصل مقصد مظلوم خواتین کے لیے انصاف کو آسان کرنا اور عدالت کی سرگرمی سے بچانا ہے۔

آج جس مغربی تہذیب کو عورت کا نجات تقویض طلاق سے متعلق دفاتر ہیں، جس کے ذریعہ عورت کو اپنے آپ پر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔

خلع کا ایک مستقل باب چار دفاتر پر مشتمل ہے، جس میں عورت کے لیے کوئی وجہ بتائے بغیر شوہر کے لیے کسی بھی حال میں بیوی کو اپنے گھر سے نکال دینا جائز نہیں۔

دفعہ: ۲۲۰ میں یہ بات کہی گئی ہے کہ لڑکی یا اس کے والدین یا اس کے اقارب سے مطالبه کر کے نفق یا سامان لینا رשות اور حرام ہے اور اس کو واپس کرنا واجب ہے، اسی طرح اگر مطالبه نہ ہو، لیکن عرف و رواج میں لڑکے کو کچھ دینے کی رسم نے شرط نکاح کا درج حاصل کر لیا ہو، تو دفعہ: ۲۲۱ میں اسے بھی رשות اور ناجائز قرار دیا گیا ہے، دفعہ: ۲۲۲ میں کہا گیا ہے کہ شوہر و بیوی کے اولیاء یا اقارب جو تھفہ دہنی کو دیں، وہ اسی کی ملکیت ہو گئی اور عورت ہی کو اس میں تصرف کا حق حاصل ہو گا، اگر لڑکی کے باپ نے لڑکی کے لیے سامان جہیز فراہم کیا اور نکاح سے پہلے اس کی موت ہو گئی، تو وہ سامان اسی لڑکی کی ملکیت ہو گئی، دوسرا دفعہ کا اس میں کوئی حق نہیں ہو گا۔

(ملحوظہ: دفعہ: ۲۲۶)

دفعہ: ۱۸۲ میں عورت کو اس کا حقدار قرار دیا گیا ہے کہ شوہر کے چھوڑے ہوئے مال سے وہ اپنا نفقہ حاصل کر لے، اور اگر کوئی مال نہ ہو تو دفعہ: ۱۸۳ کے تحت قرض لے سکتی ہے، دفعہ: ۱۸۴ میں کہا گیا ہے کہ اگر بیوی نفقہ معاف کر دے، تب بھی اس کا اعتبار نہیں ہو گا، اور اس کو دوبارہ نفقہ کے مطالبه کا حق حاصل ہو گا، دفعہ: ۱۸۸ میں عورت کی پوشان کے معاملہ میں موسم اور عرف کی رعایت کا حکم دیا گیا ہے، اور دفعہ: ۱۸۹ میں کہا گیا ہے کہ شوہر پر بیوی کی رہائش کے لئے مناسب حال رہن سہن کی بنیادی ضرورتوں پر مشتمل علاحدہ جگہ دینا ضروری ہے۔

دفعہ: ۲۰۵ میں ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور ایذا رسانی سے بچنے، دفعہ: ۲۰۶ میں اعتدال کے ساتھ ایک دوسرے کی جنسی خواہش پورا کرنے کے واجب ہونے اور دفعہ: ۲۰۸ میں جنسی تعلق میں فطری طریقہ کی پابندی کے احکام ہیں، دفعہ: ۲۰۹ میں عورت کی اجازت کے بغیر مدد و کنڈوں استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے، دفعہ: ۱۲۰ میں ہے کہ بیوی کو استقطاب حمل یا مانع حمل اشیاء کے استعمال پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، دفعہ: ۲۰۷ میں اس جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر بیوی کو شوہر سے خطرہ ہو، تو شوہر اسے سفر میں ساتھ جانے پر مجبور نہیں کر سکتا، اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو خوراک، رہائش، لباس اور شب باشی میں ان کے درمیان برابری کا سلوک ضروری ہے، دفعہ: ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵ میں طلاق سے پہلے اصلاح حال کی تدابیر پتلائی گئی ہیں، دفعہ: ۱۲۷ میں بتایا گیا ہے کہ شوہر کے لیے کسی بھی حال میں بیوی کو اپنے گھر سے نکال دینا جائز نہیں۔

## تمام مادی اغراض سے بالاتر

مولانا سید محمد واصح شرید حسني ندوی

عالیٰ مسائل کی سلیمانی اور ان کی ژولیڈگی کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں کوئی غیر جانبدار طاقت، کوئی غیر جانبِ دار تنظیم اور کوئی انصاف پرور نظام عدل قائم نہیں ہے جو اصول و انصاف کی بنا پر عالیٰ مسائل میں ٹالشی کرے اور ظالم کو ظلم کرنے سے روک دے اور مظلوم کی اشک شوئی کرے، یہ ایک ایسی صورت حال ہے جو پوری انسانیت کے لیے زبردست خطرہ کا پیش خیمه بنتی جا رہی ہے، اس مقصد کے لیے قائم عالیٰ ادارے بڑی طاقتوں کے ہاتھوں میں ایک آلہ کار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

انسانیت کا کوئی مسئلہ اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا جب تک کہ کوئی ایسی طاقت سامنے نہیں آتی جو غیر جانبدار اور انصاف پرور ہونے کے ساتھ تمام مادی اغراض سے بالاتر ہو اور عالم انسانی کی مشکلات کے سامنے سینہ سپر ہو جائے اور کسی ظالم کے سامنے کسی چٹان کی طرح جم جائے۔

موجودہ یورپ کا سیکولرزم بھی بے نقاب ہو گیا ہے، دینی انتہائی پسندی اس وقت پورے یورپ میں عام ہے، اس نے ساری دنیا کا چہرہ بگاڑ کر کھدیا ہے، اور ان کے نقوش و خطوط مٹا دیے ہیں اور ان پر اپنا عقیدہ، اپنی زبان، اپنا لکچر ہو پنے کی کوشش کی جا رہی ہے، کھل کر مسیحیت کی ترویج کی جا رہی ہے، جو بھی پوپ کے دوروں کا جائزہ لے گا، ان کے بیانات پر نظر کرے گا، مشتری نظام کے بجٹ پر اور ان کے نٹ ورک پر غور کرے گا وہ اس کو تسلیم کرے گا کہ یہ مشتری سرگرمیاں، یہ ہولناک جنگیں اور یہ خوزیزیاں سب عالیٰ طاقتوں کی تائید سے جاری ہیں۔ موجودہ دنیا آتش فشاں کے دہانے پر کھڑی ہے، اخلاقیات، دیانتدارانہ معاملات سب کے سب رخصت ہو گئے ہیں، اصول پر عمل کرنا قدامت پرستی ہے، ساری دنیا ایک نظام کی غلامی میں بنتلا ہو رہی ہے، ذراائع ابلاغ تک اب آزاد نہیں ہیں، زراعت اور صنعت، تعلیم بھی مغربی حکومتوں کی تابعداری میں ہیں، اس کے باوجود مغربی تہذیب کی تلقی میں اور اس کی شاخوانی ترقی پسندوں کا شعار ہے اس لیے کہ خیر و شر کی تیز جاتی رہی ہے اور عزت نفس کا وجود نہیں ہے۔



لے لے، اسے بچھی پیدا کرنا ہے، اپنے بچوں کو دودھ پلانا اور ان کی پرورش کی ذمہ داری بھی انجام دینا ہے، امور خانہ داری سے بھی نہیں ہے اور ساتھ ہی ساتھ ملازمت بھی کرنی ہے اور کسپ معاش میں بھی ہاتھ بٹانا ہے، پھر اس کی رسوائی کا سروسامان اس طرح کیا گیا کہ ماچس کی ڈبیہ سے لے کر زیورات، کپڑوں اور فلموں کے اشتہارت ہر جگہ اس کے حسن کو بے جا ب اور غیرت و حیا کو بے لباس کیا جاتا ہے، کیا کوئی شریف انسان اپنی ماں، بہن یا میٹی کو بے لباس کی حالت میں دیکھنا گوارہ کرے گا، پھر کیسا ظلم ہے ان جوان اور نوجوان لڑکیوں کے ساتھ جن سے ان کی غیرت سنتے داموں خرید کی جاتی ہے اور ان کی غربت و احتیاج کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے، افسوس کہ ہمارے نام نہاد انشوروں کو عورت کے ساتھ روا رکھا جانے والا یہ قسم نظر نہیں آتا، پھر بے حیائی کے عام ہونے اور مردانہ فرائض کا بوجھ حور توں پر کھدینے کی وجہ سے خاندانی نظام بکھر رہا ہے، رشتہ کھو کھلے ہوتے جا رہے ہیں اور عورت جب اپنی جسمانی کشش کو دیتی ہے تو سماج میں ایک پرانے اور فرسودہ سامان کی طرح یقینت ہو جاتی ہے، اس پہلوکو یہ حضرات پیش نظر نہیں رکھتے۔

حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامی تمام انسانی طبقات کے لیے سایہِ رحمت ہے؛ کیوں کہ وہ قانونِ فطرت سے ہم آہنگ ہے اور انسان کے لیے وہی قانون اور نظام زندگی مفید اور نافع ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بنا تھی ہوئی فطرت سے مطابقت رکھتا ہو، اس سے منھ موڑنا، اپنے لیے انجام کار بر بادی کو دعوت دینا ہے!



## اسلامی عقیدہ

## سعد و حس کا تصور اسلامی نہیں

## مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

عمل کو لوگو ہی نہیں بلکہ عمل کفر قرار دیا ہے ”انما النسی زیادۃ فی الکفر“ (نسی کفر کے زمانہ میں بڑھائی ہوئی بات ہے)۔

لہذا ان سب کی نفی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لفظ ”لا صفر“ سے فرمادی ہے، اس میں درج بالا تینوں قسم کے عقیدہ کی نفی ہوتی ہے، اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلم معاشرہ کو ان تکرارات و خرافات سے آلوہ ہونے سے بچایا جائے تاکہ رفتہ رفتہ کہیں وہ ان توہمات کی پیادہ پر شرک میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دن اور تاریخ کو مخصوص گرداتا ہے اور اس میں اس کو موثر خیال کرتا ہے تو یہ شرک ہے اس لئے کہ موثر صرف اللہ کی ذات ہے، بعض دن اور بعض تاریخوں میں کسی قوم پر خوست اگر طاری ہوئی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حقیقت میں خوست کا سر چشمہ ہیں، اس لیے کہ قرآن پاک میں ”قوم عاذ“ کی تباہی کا جہاں ذکر آیا ہے، وہاں یہ فرمایا گیا: ”یو م نحس مستمر“ یعنی قوم عاد پر عذاب تعلق پورے ہفتے سے ہے، اس لئے کہ قوم عاد پر آٹھ دن اور سات رات تیز آندھیوں کا عذاب مسلط رہا یہاں تک کہ پوری قوم تباہ و بر باد ہو گئی، ان کے محلات زمین بوس ہو گئے، اور باغوں میں خاک اڑنے لگی، علامہ شبیر عثمانی نے اس آیت کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ: ”اور یہ خوست کا دن ان ہی کے حق میں تھا یہ نہیں کہ ہمیشہ کو وہ دن مخصوص اعلان کیا کرتا کہ اس سال محرم اشهر حج میں داخل رہے گا یا صفر میں، یہی بات علامہ بن اثیر نے بھی ”نهایہ“ میں تحریر کی ہے: ”قیل ارادبہ الشنسی و هو تاخیر الحرم الی صفر“ اس سے مراد حرم کو صرف تک مؤخر کرنا ہے، اسلام نے اس نسی کے

ٹوٹی ہوئی اور امیدیں بکھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ صفر کے تعلق سے یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ وہ ایک قسم کا سانپ ہے جو انسان کے معدہ میں پرورش پاتتا ہے اور بھوک کی شدت میں جو تکلیف محسوس ہوتی ہے اس کی اصل وجہ وہی سانپ ہے جو انسان کو ڈستا ہے، اس تصور ہی سے انسان لرز اٹھتا ہے اور صفر کی آمد سے اس کے تصورات و احساسات میں ایک ہلچل سی پیدا ہو جاتی تھی۔

اسی طرح دور جاہلیت میں صفر میں ”نسی“ کو جائز سمجھا جاتا تھا، اور عملاً سارے پروہت اس کے قائل تھے۔ ”نسی“ کہتے ہیں مہینہ آگے پیچھے کرنے کی رسم کو، یہ رسم عام طور پر اس مہینہ میں ہوتی تھی یعنی محرم کو صرف تک مؤخر کر دیا جاتا تھا اور پھر عین محرم کے مہینہ میں جواہر مرم میں سے تھا، ان کی خوب آشام کا ررواپیاں جاری ہو جائیں تھیں، ایام مغازی میں محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی تھی ”وَمَسْكَنَى“ تھا پھر اس کی اولاد دراولاد یوں ہی ہوتا چلا آیا، آخر میں اسی کی نسل سے ابو غمامہ جنادہ بن عوف کنانی کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کیا کرتا کہ اس سال محرم اشهر حج میں داخل رہے گا یا صفر میں، یہی بات علامہ بن اثیر نے بھی ”نهایہ“ میں تحریر کی ہے کہ یہ ایام ظفر و سعادت کے حصول کا ذریعہ ہیں، نہ کہ تشاویم و بدفائلی کا وشنٹا ک درپن، جس میں قوت عمل

اسلامی تاریخ کا دوسرا مہینہ صفر المظفر ہے، اسلامی مہینوں میں اسے یہ انفارادیت حاصل ہے کہ اس کا حدیث پاک میں مخصوص انداز میں تذکرہ آیا ہے، اور اس سے وابستہ وہم و خرافات کی نفی کی گئی ہے، وہم کی اساس وہ خوست تھی جو فتنوں، وباوں، امراض اور مصائب و حادثات کی شکل میں کبھی اس مہینہ میں پیش آئی تھی اور اس کی بنیاد پر یہ عقیدہ قائم ہو گیا تھا کہ صفر کا مہینہ خوست والم کا مہینہ ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدہ کی کلیتہ نفی فرمائی، اور انسان کو کامیاب زندگی کی راہوں میں صالح عقیدہ دی رoshni تھی، ارشاد فرمایا: ”لَا عَدُوٰي ولا صفر“ چھوٹ چھات اور صفر کی کوئی حقیقت نہیں، اس مفہوم کی روایتیں حدیث کی کتابوں میں بکثرت وارد ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور کے جاہلی معاشرہ میں توہمات عقیدہ کی شکل اختیار کر کچھے تھے مثلاً چھوٹ چھات، سعد و حس، بھوت پریت وغیرہ۔

جاہلیت نے صفر کو نامرادی و ناکامی کا پیش خیمه بتایا تھا، اسلام نے صفر کو مظفر و مسعود گردانا، یہی وجہ ہے کہ اسلامی مہینوں میں اسی مہینہ کے ساتھ خصوصاً ”مظفر“ کامیاب کی صفت لگی ہوئی ہے، گویا اشارہ اس سے یہ ملتا ہے کہ یہ ایام ظفر و سعادت کے حصول کا ذریعہ ہیں، نہ کہ تشاویم و بدفائلی کا وشنٹا ک درپن، جس میں قوت عمل

قاہرہ حاصل ہوگی جو کسی قوم و ملت کی قیادت کے لیے ضروری ہے:  
خدا نے لمیزِ کا دست قدرت تو زبان تو ہے  
یقین پیدا کرائے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

☆☆☆☆☆

نہیں، جو کچھ ہوتا ہے صرف اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اس کے حکم میں کسی کو اختیار نہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے ایک مسلمان کی بھی شان ہے کہ اس کا باطن ان وہی تصورات سے قطعاً پاک ہوا اور ظاہر طاعت ربانی پر شاہد ہو پھر اس کو وہ قوت

رات اور آٹھ دن برابر رہا، بتلائے اب ہفتہ کے دنوں میں کون سا دن نخوست سے خالی رہے گا، چونکہ صفر کی نخوست دور جاہلیت میں فتنوں اور حوادث کے وقوع سے وابستہ کی گئی تھی اور اس کو وہ فتنوں کی تحریک میں مؤثر خیال کرتے تھے، لہذا اس سے روکا گیا، اور ہر چیز کا رخ مؤثر حقیقی اللہ رب العزت کی طرف کر دیا گیا، اسی طرح باش کے ہونے کو پختہ کی طرف منسوب کرنے سے بھی روکا گیا، اور اسے کفر بتایا گیا، اور اس قسم کے تمام مواقع میں اسلام کی تعلیم کا صرف ایک ہی رخ ہے وہ یہ کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے، اور اس کا انتساب اسی کو زیبا ہے۔

اس کے باوجود افسوس ہے کہ جاہلیت کی بہت سی رسمیں مسلم معاشرہ میں اب بھی پائی جاتی ہیں، اور اس کا لحاظ اس درجہ کیا جاتا ہے کہ جاہلیت بھی شرما جائے، انہیں خرافات میں سے صفر المظفر میں ”تیرہ تیزی“ کا وہی تصور ہے، جو مردوں میں تو کم لیکن عورتوں کے دل و دماغ پر ایسا چھایا ہوا ہے کہ ہر حال میں اس کی پابندی لازمی نہیں جاتی ہے، صفر کے شروع کے تیرہ دن انہائی نخوس خیال کیے جاتے ہیں شادی بیاہ نہیں کی جاتی، دہن کی رخصتی موقوف ہوتی ہے، کوئی نیا کام کرنے سے گریز کیا جاتا ہے ان دنوں میں ولادت کو بھی کچھ اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا، اگر ولادت کسی کے بیہاں ہوئی تو سمجھا جاتا ہے کہ اس کی آمد پر یثانیوں کا پیش خیہ ہے اور اگر خدا نخوستہ کوئی بات ہوگئی تو اس کو فوراً اس نئے مہماں کی آمد سے جوڑ دیا جاتا ہے، یہ خالص جاہلی تصور ہے جو ہمارے معاشرہ میں ہندوؤں کی وجہ سے رفتہ رفتہ پیدا ہوا، سعد و خس کا تصور قطعاً اسلامی

## شہید کر بلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ

از ذا کثرہارون رشید مرحوم  
سابق ایڈیٹر ”سچاراہی“، ندوۃ العلماء، ہکھنوا

صحابی رسول حسین نواسہ رسول حسین  
نبی کے محبوب حسین رب کے مقبول حسین

نہ جھکے ظالم امن زیاد کے آگے  
ہو گئے شہید، شہید مقبول حسین

بڑے شقی تھے جنھوں نے شہید کیا اُن کو  
دوزخی ہیں جنھوں نے شہید کیا اُن کو

نہ سوچا حسین آل ہیں کس کی  
کیسے ہمت کی جنھوں نے شہید کیا اُن کو

حمزة اور عباس، صفیہ علی فاطمہ حسن حسین  
ازواج نبی، اولاد نبی ہم سب سے عقیدت رکھتے ہیں

☆☆☆☆☆

## یاد رفتگان

# مولانا سعید ندوی بھی چل لے سے

## مولانا آفتاب عالم ندوی

خوش سے منعقد ہوتے تھے، عربی اور اردو میں مضمون نگاری اور خطابت کے انعامی مقابلوں بھی بڑی اہمیت سے ہوا کرتے تھے، بزم جو ہر کے تحت انگریزی کے پروگرام بھی ہونے لگے تھے، اکثر مدارس کی طرح ندوہ میں بھی ناشستہ کاظم طلبہ کو خود کرنا

پڑتا تھا، بڑی تعداد ناشتہ خود بناتی تھی، باقی طلبہ کینٹین میں ناشستہ کرتے تھے، ایک روپیہ میں طلبہ (پانچ روپیہ اور ایک کپ چائے) ناشستہ کر لیتے تھے، نگرانی کا نظام مستحکم تھا، مولانا غیاث احسن ندوی، مفتی محمد ظہور ندوی، مولانا حبیب الرحمن سلطانپوری اور مولانا محمد عارف سنبلی جیسے سینئر اساتذہ نگرانی کے فرائض انجام دیتے تھے، ندوہ سے باہر جانے کے لیے اجازت لینا ضروری تھا، ہر طالب علم کا کھانا ناشستہ داں میں کمرہ پہنچانے کا نظام اسوقت بھی تھا، تیار ہو چکا تھا، معہد کی عمارت بھی بتی ہوئی تھی، سلیمانیہ، شبلی اور رحمانیہ دور اول کے ہائل ہیں، ملازمین کروں سے ناشستہ داں لے کر اسے دھوکر کھانا بھر کر کروں میں پہنچاتے تھے، یہ نظام آج بھی قائم ہے، عام کھانے کی فی صرف ساٹھ روپے اور اپیش کھانے کی فیس ایک سو میں روپے تھی، اپیش کھانے میں روز خصی کا قورمه، لمبے دانے کا چاول اور چپاتی آتی تھی، میں فیس فراغت کے بہت بعد تک رہی، لازم تھا کہ ہر طالب علم تخت کا اپنے لئے انتظام کرے، فرش پر کسی کو سونے کی اجازت نہیں تھی، اسوقت پکنھوں اور بیڈ کاظم دار العلوم کی طرف نہیں ہوتا تھا، بہت سے طلبہ گرمی کے موسم کے لیے شہر سے کرایہ پر پکھا لاتے تھے، کیمپس کے اندر کرایہ پر سائیکل ملتی تھی، اس زمانہ میں کسی استاد کے پاس ٹوویلر بھی نہیں تھی۔

ثانویہ رابجہ پاس کر کے ۱۹۸۲ء میں میں ثانویہ خاصہ عربی چہارم میں پہنچا، سعید ندوی اسی کلاس میں داخل ہوئے، وہ دیوبند سے آئے تھے، امارت شرعیہ کے نظام مولانا سعید نظام الدین کا مصنف الفقهہ

زمان حسینی، شاہ عون احمد قادری، مولانا عبد الرؤوف جنڈا نگری، قاری صدیق احمد باندوی، مولانا ابواللیث اصلاحی، مولانا منت اللہ رحمانی، قاضی محمد سجاد جیسے اہل علم و فضل کو مجلس انتظامی کے موقع پر دیکھنے اور بعض کو سننے کا موقع ملتا۔

درسرہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ سے تجوید و قراءت کا کورس مکمل کرنے کے بعد ندوہ کے درجہ سوم عربی میں میرا دخلہ ہوا، یہ ۱۹۸۱ء کی بات ہے، اطہر ہائل تیار ہو چکا تھا، عمارت بھی بتی ہوئی تھی، سلیمانیہ، شبلی اور رحمانیہ دور اول کے ہائل ہیں، درس گاہ کی عمارت بھی جو فیکر کا شاہ کار ندوہ کے ابتدائی دنوں کی یادگار ہے، طلبہ کی تعداد اسوقت دو ہزار سے زیادہ نہیں ہو گئی، حفظ کے طبلہ مسجد میں پڑھتے تھے، شعبہ حفظ کے سربراہ حافظ حشمت اللہ تھے، حفظ کے طبلہ میں انکا بڑا عرب تھا، حفظ کے تمام طلبہ فجر سے پہلے بھی مسجد میں قرآن یاد کرتے تھے، پرسکون ماحول میں تلاوت قرآن سے پورا کیمپس پاکیزگی، تقدس اور نورانیت کے ملکوتی شامیانہ میں ڈھکا ہوا محسوس ہوتا، اس وقت ملیشا، تھانلیڈ، انڈو نیشیا، بلکہ دلیش اور افریقی ممالک کے طلبہ کی معتدله تعداد رہتی تھی، طلبہ کی تعداد کے کم ہونے کی وجہ سے اوپر کے درجوں میں سیکشن نہیں ہوتے تھے، پرائمری کا شعبہ معہد کے نام سے جانا جاتا تھا، جمرات کو عربی کے پروگرام درجوں میں اور اردو کے پروگرام جمعیۃ الاصلاح کے جماليہ ہال اور سلیمانیہ میں اساتذہ دار العلوم کی نگرانی میں جوش

بات ندوہ کی اور نوے کی دہائی کی ہے، زمانہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن ندوی اور ندوہ کے نامور مہتمم مولانا محبت اللہ لاری، ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی، مولانا مصیبین اللہ ندوی، مولانا سید محمد راجح حسینی ندوی کا ہے، اساتذہ میں مولانا سید عبد الغفار نگری، مولانا ابوالعرفان خاں ندوی، مولانا محبوب الرحمن ازہری، مولانا حبیب الرحمن سلطانپوری، مولانا سید محمد واضح رشید حسینی ندوی، شیخ اشغیر مولانا برہان الدین سنبھلی، شیخ الحدیث مولانا ضیاء احسن ندوی، صدر شعبۃ افتاء مفتی محمد ظہور ندوی، مولانا ناصر علی ندوی، مولانا سید نور الحسن، مولانا عبد المؤمن ندوی ازہری، مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری، مولانا شفیق الرحمن ندوی، مولانا شہباز اصلاحی، مولانا محمد عارف سنبھلی، مولانا محمد بر جیس قاسمی ندوی، اللہ ان سب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، مولانا سعید الرحمن عظیمی ندوی، مولانا شمس الحق ندوی، اور مولانا محمد زکریا سنبھلی۔ اللہ صححت و عافیت کے ساتھ ان کے سایہ عاطفت کو ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ جیسے باکمال اساتذہ مندرجہ وفا دہ کو وقار بخش رہے تھے:

چجن میں تخت پر جس دم شہہ گل کا چجل تھا ہزاروں بلبلیں تھیں باغ میں، اک شور تھا، غل تھا مجلس انتظامی کے جلسوں میں ملک کی نامور ہستیاں تھیں، مولانا حبیب الرحمن عظیمی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، قاضی اطہر مبارک پوری، مولانا صبغۃ اللہ بخاری، سید صباح الدین عبد الرحمن، حکیم

تھے، تمام لوگ جانتے تھے کہ مولانا سمیل کسی بھی مشکل مہم کو سر کرنے کی بہت رکھتے ہیں، سمیل حافظ قرآن بھی تھے، تراویح میں سالہا سال قرآن سنایا، صلاحیت پختہ تھی، بولتے بھی اچھا تھے، لکھن کی بھی صلاحیت تھی، باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے، ان کی صحبت میں کوئی اکتا نہیں تھا، چکلوں اور لطیفوں کا بڑا ذخیرہ تھا انکے پاس، امارت کے کرم فرماؤں کے لیے ان کے پاس ہر طرح کے ہتھیار تھے، وہ ضابطہ کے مطابق ریٹائر ہو چکے تھے، لیکن وہ حسب معمول ذمہ دار یوں کو انجام دے رہے تھے یہاں تک کہ یونیفارم سول کوڈ کے خلاف بیداری مہم کے ایک سفر کے دوران میں اڈیشہ کلک سے قریب کسی جگہ ۲۵/ جولائی ۲۰۲۳ء مطابق ۲۶ ربیعہ ۱۴۴۵ھ بروز منگل ظہر کی سنت ادا کرتے ہوئے حالت سجدہ میں روح پرواز کر گئی، انا للہ وانا الیه راجعون۔

اپنے سے عمر میں بڑے لوگوں کو دیکھ کر محسوس نہیں ہوتا تھا کہ ملک الموت ہم سے بھی قریب ہے، سمیل! تم نے خواب غفلت سے جگادیا، اس سے پہلے بھی درجہ کے کئی ساتھی اس سفر پر جا چکے ہیں جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آتا ہے، دہلی یونیورسٹی کے پروفیسر ولی اختر ندوی کو رونا کا شکار ہو گئے، لکھنؤ کے ارشد، سمیل، اور عمان دنیاۓ فانی سے چلے گئے: کمر باندھے ہوئے چلنے کو سب یار بیٹھے ہیں بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں اللہ مولانا سمیل کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، ان کے نیک کاموں کو قبول کرے، خطاوں سے درگزر کرتے ہوئے جنت میں اعلیٰ مقام دے، اہلیہ، اولاد اور دوسرے متعلقین کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

☆☆☆☆☆

میں داخل ہوا تو سمیل میرے سینٹر بن چکے تھے، لیکن جمعیۃ الاصلاح میں ہم لوگ ساتھ ہو گئے، وہ ناظم اور میں نائب صدر، ناظم جمعیۃ الاصلاح کی اس زمانہ میں اہمیت ہوتی تھی، سینٹر طبلہ کا جو نیز طبلہ لاحاظ کرتے تھے، جمعیۃ الاصلاح کے پیشتر اہم پروگرام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی صدارت میں منعقد ہوتے تھے، ناظم الاصلاح اور بزم خطابت و بزم سلیمانی برائے مضمون نگاری کے ذمہ داران پروگراموں میں حضرت مولانا کے پہلو میں بیٹھتے تھے، ایک مرتبہ ۱۹۸۹ء میں جب میں الاصلاح کا ناظم تھا اور حضرت مولانا کی صدارت میں کوئی پروگرام ہو رہا تھا، میں ہی پروگرام چلا رہا تھا، اور حضرت کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔

تلادت یاظم کے لیے 'تشریف لا میں' کہہ کر میں نے طالب علم کو دعوت دی تو حضرتؒ نے جب میں ڈاکس چھوڑ کر کری پران کے پہلو میں بیٹھ گیا تو فرمایا کہ: چھوٹے کے لیے 'تشریف لا میں' نہ کہا کریں۔

ندوہ میں سمیل کا مولانا شفیق الرحمن ندوی سے خصوصی ربط رہا، سمیل ندوہ سے فراغت کے بعد ہی امارت شرعیہ سے وابستہ ہو گئے، اپنے حسن کار کر دگی، حسن اخلاق اور امارت شرعیہ کی فکر و اہداف سے مکمل ہم آہنگی کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے ذمہ داروں کا اعتماد حاصل کر لیا، مردم شناس اور جو ہر کے پار کھوں نے بڑی بڑی ذمہ داریاں ان کے کاندھوں پر ڈالیں، سمیل نے تمام کاموں کو احسن طریقہ پر انجام دے کر بزرگوں کی دعا میں لیں، امارت کے پانچ امیروں کا انہیں زمانہ ملا، نائب ناظم کے علاوہ امارت کے تین انہنیٰ اہم شعبوں: دارالعلوم امارت شرعیہ، مولانا سجاد ہاسپیطل اور ٹینکنیکل ایجوکیشن کے وہ ذمہ دار

المیسر مولانا شفیق الرحمن ندوی کے نام سفارشی خط لے کر وہ آئے تھے، سمیل کا اثر و سوخ رکھنے والے چمپاران کے ایک خوشحال خاندان سے تعلق تھا، لیکن کبھی انکے رویہ یا زبان سے اسکا ظہار نہیں ہوا، اخیر تک وہ ایک مختی و شریف طالب علم رہے، پڑھائی کے شوqین اور آگے بڑھنے کے جذبہ سے سرشار طبلہ جس طرح کلاس میں آگے بیٹھنے کے لیے کلاس جلدی پہنچتے ہیں، کلاس کے کھلتے ہی سب سے پہلے داخل ہونے کے لیے دوسروں کو ڈھکیل کر اگلی نشت پر قبضہ کرتے ہیں، اسی طرح سمیل بھی کرتے تھے، دوسری سرگرمیوں میں بھی سمیل بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، یہاں تک کہ فضیلیت کے سال فراغت میں طبلہ نے انہیں جمعیۃ الاصلاح کا ناظم منتخب کیا، اور رقم کو نائب صدر، جبکہ جمعیۃ الاصلاح کا صدر مہتمم دارالعلوم ہی ہوتا ہے، درجہ میں پانچ سال ۱۹۸۲ء میں ہم لوگوں کو علیت کی سند می، اس سال عالمیت کے سال فراغت عالیہ رابعہ میں ہماری تعداد صرف ۲۸ ریا ۷۶ تھی، اور دس سے بھی کم لوگ فرست ڈویژن سے پاس ہوئے تھے، سمیل ان میں سے ایک تھے، النصار ٹھیم پوری، ابو رضا جاڑگائی، عرفان گوپاموی، عبد القدوں پالن پوری، قرآن بھاگپوری، کمال رائے بریلوی، نذیر اکبر آبادی، عبد الحکیم فاضلی، امین بستوی، ولی اختر مرحوم، اور مرحوم سمیل وغیرہ کا درجہ کے متاز طلبہ میں شامل ہوتا تھا۔

آج فارغ ہونے والوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہوتی ہے، اسی طرح فرست ڈویژن والوں کا تناسب بھی بہت بڑھ گیا ہے، اس کے بعد سمیل نے ۱۹۸۷ء میں فضیلیت میں داخلہ لیا، اور ۱۹۸۸ء میں فضیلیت کی انہیں سند می، ایک سال وقفہ کے بعد ۱۹۸۸ء میں جب میں فضیلیت اول

دین و ادب

## امثال نبوی کا ترتیبی پہلو

### ڈاکٹر محمد فرمان ندوی

ہارہوا کرتے ہیں، سیکڑوں جملوں کے مفہوم کو ایک مختصر جملے میں بیان کر دیا جاتا ہے، امثال کے بارے میں ابن عبدربہ کا کہنا ہے: الأمثال التي هي وشي الكلام، وجهر اللفظ، و حل المعاني والتي تخبرتها العرب و قبلتها العجم ضرب الأمثال نام ہے عربوں کے ان تراشیدہ جملوں کا جن میں کلام کا جمال اور الفاظ کے جوہر اور معانی کا سمندر موچ زن ہو، اور عجیبوں نے اس کو قبول کیا ہو۔

[العقد الفريد: ج ۳/ ص ۶۳]

حضور پاک علیہ السلام کے تمام احسانات میں ایک احسان یہ بھی ہے کہ انہوں نے انسان کو بات کرنے کا سلیقہ سکھایا اور ایسے محاورات استعمال فرمائے، جو چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود آج بھی لذت کام وہن دیتے رہتے ہیں، اردو و اس طبقے نے محاورات کے دائرہ کو بہت وسیع کر رکھا ہے، مثلاً انہوں نے اچھی تعبیر کو بھی محاروے کا نام دیا ہے، مثلاً زیر سایہ رکھنا، یہ حدیث کے اس تکڑے "يظلهم الله في ظله" سے ما خوذ ہے، مد ظله اور مد ظلہم اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

### امثال زمانہ جاہلیت

زمانہ جاہلیت میں شرفی کی ایک صنف ضرب الأمثال تھی، وہ جملے و افات زندگی کے بارے میں جامع تأثیرات پر مشتمل ہوتے تھے، اور ایسے زبان زد ہوتے تھے کہ لوگ پاسانی ان کو دہراتے تھے، مثال کے طور پر: "انك لا تجني من الشوك العنبر" (جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے) اور "الأمر ما جدع قصیر أنفه" (کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ یا کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں) وغیرہ۔

أنا أفتح العرب ، ييد أني من قريش ، و نشأت في بني سعد بن بكر ، آپ صلي الله عليه وسلم كي زبان حق ترجمان كي توصيف مصطفى صادق الرافعى نے کچھ اس انداز میں کی ہے :  
كأنما وضع يده على قلب اللغة ينبعض تحت أصابعه (آپ نے اپنا ہاتھ زبان کے دل پر رکھتے اور وہ آپ کی انگلیوں کے نیچے وہر کئے لگتا۔)

[تاریخ آداب اللہ: ج ۲/ ص ۳۰۲]

**قریبیت نبوی کے مختلف اسالیب**  
رسول پاک علیہ السلام کی دو حیثیتیں ہیں، ایک نبی کی، اور دوسرے بشر کی، ان دونوں حیثیتوں سے آپ صلي الله عليه وسلم کی زبان سے ایسے ترشے ہوئے جملے نکلے، جو رعنائی خیال اور ذوق جمال کے آئینہ دار ہیں، آپ صلي الله عليه وسلم نے معانی و مفہیم کو لوگوں کے ذہن سے قریب کرنے کے لیے بھی قصہ گوئی، بھی مکالماتی، بھی تاکیدی قسموں اور بھی بلیغ تمثیلات، بھی خطابت اور بھی مقتبات کا اسلوب استعمال کیا، اور آپ کے انداز کلام کی نمایاں خوبی سہولت و بشارت، عمومیت وہمہ گیری، حکمت بالغہ اور ارشاد و رہنمائی ہوتی تھی، جو فطرت کے زیادہ قریب اور حقیقت سے ہم آہنگ ہوتی تھی۔

### ضرب الأمثال : ایک

**جامع تعارف**  
محاورے اور امثال کسی بھی زبان کے گلے کا

بعثت رسول کا اہم قوین مقصود رسول پاک علیہ السلام کی نبوت کے اصول چہار گانہ میں تعلیم کتاب و حکمت کو خاص اہمیت حاصل ہے، حضرت ابراہیم کی دعاء میں اس کی طلب تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلي الله عليه وسلم کو معلم کامل بنایا کر بھیجا، خود زبان نبوت نے اس کی گواہی ان الفاظ میں دی ہے: اسما بعثت معلمًا (میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں)، بھی و مدنی پوری حیات مقدسہ تعلیم و تربیت سے عبارت ہے، انداز تعلیم ایسا دلکش اور دل ربا تھا کہ ازاد دل خیزد بدل ریزد کا مصدق، اور بقول مشہور ادیب جاحظ: "آپ کا کلام سر اپا حکمت ہے، اس میں کسی طرح کی غلطی نہیں، تائید الہی سے حکم اور توفیق ربی سے مالا مال ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے محبت و قبولیت، جاذبیت و حلاوت، سہولت فہم اور انصار سے نوازا ہے"۔

[البيان والتبیین: ج ۲/ ص ۱۵]

**ذیان نبوت کی عبقریت**  
رسول اللہ صلي الله عليه وسلم دنیا سے بسیط پر سب سے بڑے فتح و بلیغ انسان تھے، ایک مرتبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلي الله عليه وسلم سے پوچھا: لقد طفت في العرب و سمعت فصحاء هم، فما سمعت أفحص منك ، فمن أدبك؟ قال رسول الله : أدبني ربي فأحسن تأدبي، ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

بتاتے ہوئے فرمایا: لا یستطح فیہ عنزان یعنی اس معاملہ میں دو بکریاں آپس میں سینگ نہ لڑائیں گی ، ذارا بکریوں کے یہ انداز سامنے رکھئے کہ دو بکریاں جب اکٹھا ہو جاتی ہیں، تو اپنے اگلے پیروں کو اٹھا کر سینگ لڑاتی ہیں، آپ نے اس انداز کو دو شخصوں کی آپسی کشمکش کے اظہار کے لیے اختیاب کیا۔

[کاروان ادب: ۲۳-۱۹۹۳ء]

رفقاً بالقواریر (آگینوں کے ساتھ زمی کرو) عورت کی فطرت میں جزو زاکت ہے اس کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے، ان کی اس فطرت کے ساتھ زم معاملہ کیے جانے ہدایت اس حدیث میں وی گئی ہے۔ قدیم زمانہ میں لوگ خواتین کو ہودج میں بیٹھا کر اونٹوں پر سوار کیا کرتے تھے، حضرت انجھہ ایک مرتبہ جزی یا اشعار پڑھ کر اونٹوں کو ہنکار ہے تھے، جس سے اونٹ مست ہو کر تیزی کے ساتھ باگ رہے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فطرت کی رعایت کرنے کا حکم دیا، کیونکہ جس طرح شیشہ اگر قاعدے سے نہ رکھا جائے توٹ جاتا ہے اسی طرح ان کی عصمت کی حفاظت ایک دینی امر ہے۔

مرحبا بالقوم غیر خزايا ولا ندا مي لوگوں کو بہت بہت خوش آمدید، نہ شرمندگی اور نہ پیشانی (یعنی نہ آپ کو بے احترامی کا معاملہ ملے گا اور نہ آپ کو آنے پر افسوس ہو گا)۔

یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد قیس سے جو آپ کے قبیلہ قریش کی نظر میں دشمن تھے، استقبال کے موقع پر فرمایا تھا، یہ ایسا جملہ ہے جو ہر موقع پر استعمال کیا جاسکتا ہے، یہ حسن و مجال کا حامل ہے، ایسا شستہ اور خوبصورت جملہ ہے،

مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان] هذا یوم له ما بعدہ (اس دن کے بعد جسی اس کا سلسلہ ہے)۔ یہ جملہ کسی کام کے تسلسل کو بیان کر رہا ہے، یہ معاملہ تفصیل طلب ہے، اور مذوق جاری رہنے والا ہے۔

ان المنبت لا أرضًا قطع و ظهرًا أبقى سواری کے جانور کو اس کی طاقت سے زیادہ دوڑانے والا مسافر راستے میں اٹک جاتا ہے، اور نہ وہ اپنی منزل طے کر پاتا ہے، اور نہ جانور ہی کو زندہ رہنے دیتا ہے، یعنی جلد باز دو گھاٹیوں میں پڑ جاتا ہے اور نتیجے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ گویا اس ضرب المثل کے ذریعہ افراط و تفریط سے دور رہنے اور اعتدال کو لازمہ حیات بنانے کی تلقین کی گئی ہے۔

چند حدیثی محاوروں کا اردو قالب:

لیس الخبر کالمعاینة [منشد احمد طبرانی]  
شنیدہ کے بود مانند دیدہ  
میر تقی میر کا شعر ہے:

تحجہ سے یوسف کی کیوں کر دیں نسبت  
کب شنیدا ہو دیدہ کے مانند  
کما تدین تدان جیسا کرو گے ویسا بھرو

گے۔ [بیہقی کتاب الزہد]

خرمی متفقہ: عشرت گم، مسرت دور ہے  
جیسی کرنی ولی بھرنی یہ مثل مشہور ہے

حکمت و نصیحت سے لبویز

چند جملے اور ان کا قریبی پہلو

لا یستطح فیہ عنزان (اس معاملہ میں دو

بکریاں نہیں لے سکتیں)

حضرت مولانا سید محمد راجح حنفی ندوی قم طراز ہیں:  
”ایک موقع پر آپسی اختلاف کی گنجائش نہ

امثال نبوی کے قریبی پہلو  
لیکن ذخیرہ احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ زبان نبوت سے ایسے جملے نکلے ہیں، جن کے اندر بلا کی تاثیر پائی جاتی ہے اور وہ ابجاز و ابجاز کا جامع ہیں، ذیل میں چند امثال ذکر کیے جاتے ہیں:

لا یلدغ المؤ من من حجر مرتین  
(مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈساجاتا)۔

مؤمن کی شان نرالی ہے، وہ ایمان کے نور سے دیکھتا ہے، ایک بار جب وہ کسی سے دھوکا کھا جاتا ہے تو آئندہ مقابلہ رہتا ہے، اسی کو رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ”مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈساجاتا“ کے ذریعہ ادا فرمایا، گویا یہ آپ کی ایک حکمت پر مبنی نصیحت ہے، جو کارزار حیات میں خضراء کی حیثیت رکھتی ہے۔

اليد العليا خير من اليد السفلى (اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے باہتر ہے)۔

اس محاورہ کے ذریعہ ایک اہم پہلو کی طرف رہنمائی کی جا رہی ہے، وہ یہ کہ وسعت کے باوجود سوال کرنا بہت ہی براعمل ہے، ایک حدیث میں سوال کرنے کو چہرہ کے اوپر بدندا غ لینے سے تعییر کیا گیا، دینے والا اوپر والے ہاتھ سے کنایہ ہے اور لینے والا، سوال کرنے والا نیچے والے ہاتھ سے عبارت ہے۔

اردو میں بھی دینے کے لئے ہاتھ لمبا کرنا مستعمل ہے:

شاه حاتم کا شعر ہے:

اسی کو خلق کہے ہے جہاں میں طاع مند  
کرے جو دست گدا کی طرف کو دست بلند  
[اردو میں قرآن اور حدیث کے محاورات

## پوری زندگی عبادتِ الٰہی

مولانا سید محمد حمزہ حنفی ندوی

اس دور میں جب کہ بے شمار دنیوی اور مادی ترقیاں ہوئی ہیں، طرح طرح کی ایجادات سے دنیا روشناس ہوئی ہے، ضرورت بے ضرورت کی چیزیں عالم کے وجود میں آئی ہیں، اس اعتبار اور اس لحاظ سے دنیا اخلاقی اور دینی حیثیت سے پست سے پست ہوتی گئی، ان ساری ترقیوں کے ساتھ انسان قمر نسلت میں گرتا گیا، اس خدا کو جو اس کائنات کا خالق و مالک ہے، بھلا کر مادیت کے سیل میں بہہ گیا، مذہب و اخلاق تو خیر بلند چیزیں ہیں انسانی مرتبہ سے گر کر ایک چوپایہ سے بدتر ہو گیا۔

انسان دنیا میں کیوں آیا؟ یا ایک اہم سوال ہے، یہ سوال ایسا نہیں جس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ سوال ایک ایسا سوال ہے جو ہمارے ضمیر کو، ہمارے قلب کو چھوڑ رہا ہے، ساری انسانیت کو چھوڑ رہا ہے: ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا يَعْبُدُونَ“ یہ ہے اس عظیم اور اہم سوال کا جواب، جو دنیا کو ملا ہے، اس سوال کا جواب جو انسانیت کے پیش نظر ہے، جو ہر دل و دماغ کے سامنے ہے، ہر اس انسان کے سامنے ہے جس میں انسانیت کی کوئی رمق بھی باقی ہے۔ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہم کو بتاتا ہے اور اس بات کو صاف کر کے، واضح کر کے بیان کرتا ہے کہ انسان دنیا میں صرف عبادتِ الٰہی کے لیے آیا ہے اور بقیہ تمام چیزیں دنیا کی آرائش و زیباش، اس کی نعمتیں اور تمام خلوقات یہ سب انسان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ہیں۔

انسان کی پیدائش کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ دنیا میں رہے، اس اپنی جائز ضرورتوں کو پورا کرے اور اپنی زندگی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت میں گزار دے، انسان اپنی زندگی کو اس طرح عبادتِ الٰہی میں گزارے، وہ ہر وقت سجدے نہیں کر سکتا، وہ ہر وقت نمازیں نہیں پڑھ سکتا، وہ تمام زندگی روزہ نہیں رکھ سکتا۔ کتنی کریم ہے وہ ذات، کتنی شفیق ہے وہ ذات جس نے ایسا لاکھ عمل بھی عطا کیا کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو کھانا پینا بھی عبادت بن جائے، سونا جا گنا بھی عبادت ہو جائے، چنان پھرنا عبادت بن جائے۔ خرید و فروخت بھی عبادت میں شمار ہونے لگے، بات چیت بھی عبادت ہو جائے، غرض پوری زندگی عبادتِ الٰہی کا دوسرا نام ہو جائے۔ یہ لاجھ عمل کیا ہے؟ ایسی عظیم نعمت جس کے سامنے دنیا و ما فیہا کی تمام نعمتیں پیچ ہیں، کیا ہے؟ یہ سچ کیمیا کیا ہے؟ یہ ہے کتابِ الٰہی قرآن حکیم، جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا، فدا ہوں ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔



جس میں استقبال بھی ہے، اور پاکیزی اور طہارت بھی، دعا بھی ہے، اور نصیحت بھی، غرض ہر ناحیہ اور ہر جہت سے حکمت و موعوظ کا انمول خزینہ اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

### امثال نبوی کی خصوصیات

امثال نبوی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں چند خصوصیات پہاں ہیں:

۱- مقصود کی طہارت

۲- سچائی اور پاکدامنی

۳- نور نبوت کی حلولہ سامانی

۴- بلاوغت نبوی کی دلکشی، اور ادب رسالت کی جادو یہانی

۵- فضلِ الٰہی کی نوار نیت اور حکمت رباني

۶- خلاصہ کلام یہ کہ وہ دعوت و چہاد اور وعظ و تبلیغ کے میدان میں حاصل ہونے والے تجربات کا خلاصہ ہے۔

### خلاصہ کلام

غرض امثال کے ذریعہ حضور پاک علیہ السلام نے زندگی، کائنات اور انسان سے متعلق ان تمام مقاصد کو پورا کیا، جن کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا تھا، امت کی رہبری و رہنمائی میں ان سے استفادہ کیا، امثال کے ذریعہ آپ کی گفتگو ایسی دلپذیر ہو جاتی تھی، جو جزو زندگی بن جاتی تھی، اور عمل کرنا آسان ہو جاتا تھا۔ مختلف اسالیب میں امثال کا اپنا ایک ایک اثر ہوتا ہے، اس کی ایک شاخت اور پہچان ہے جس کو ہر صاحبِ ذوق محسوس کرتا ہے۔ ویسے تو زبان نبوت سے نکلے ہوئے تمام الفاظ و کلمات ایسے گوہ آبدار ہیں، جن کا وجود باعثِ زینت و استفادہ ہے۔



## ایک اہم قانونی و سماجی ضرورت کی تکمیل

مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے زیر اہتمام لیگل لٹریسی کورس کی افتتاحی تقریب کا انعقاد

رپورٹ: کلیم اللد خان ندوی / محمد مرغوب الرحمن ندوی

پروفیسر اسم احمد جعفری نے لیگل لٹریسی کورس کا  
لعلی تعارف پیش کرتے ہوئے بتایا کہ: ”اس  
کورس میں آئین ہند، سول لاء، کرمنل لاء اور  
قانونی بیداری سے متعلق اہم اور بنیادی  
موضوعات شامل کیے گئے ہیں، اس کورس کی  
تکمیل کے بعد طلبہ کو ٹھنڈیکیٹ بھی دی جائے گی۔“

ان کی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ: ”جس طرح  
آپ حضرات نے طلبہ کے لیے ملکی قانون کا کورس  
تیار کرایا اسی طرح عصری تعلیم یافتہ افراد کے لیے  
شرعی قوانین کا کورس یا سلسلہ محاضرات ضرور  
شروع کریں، کیوں کہ جیسے علماء کو قانون سمجھنے کی  
ضرورت ہے ٹھیک ویسے ہی عصری تعلیم یافتہ  
لوگوں کو بھی شرعی قوانین سمجھنے کی ضرورت ہے۔“

ڈاکٹر کمال خان (پروفیسر شعبہ قانون، لکھنؤ  
پیوریٹی) نے اپنے تاثراتی خطاب میں متعدد  
مثالوں کے ذریعہ قانون کی اہمیت پر روشنی ڈالتے  
ہوئے کہا کہ: ”جس طرح دین کے بغیر آپ صحیح  
انسان نہیں بن سکتے، اس طرح دستور ہند سے  
واقفیت کے بغیر آپ ایک اپنے شہری نہیں بن  
سکتے۔ جیسے صحت مند ہونے کے لیے دوا کی  
ضرورت پڑتی ہے ویسے ہی ایک ذمہ دار شہری  
ہونے کے لیے آئین ہند سے باخبر ہونا ضروری  
ہے۔“ نیز یہ بھی کہا کہ: ”شریعت میں گناہ کا لکھنؤ  
ہے اور قانون میں کرامم کا، کون سے اقدامات  
کرامم کے دائرہ میں آتے ہیں اور کون سے نہیں،  
اسی کو سمجھنا قانون ہے۔ علماء اگر قانون سے  
واقف ہوں گے تو ان میں اعتماد پیدا ہو گا، وہ اپنی  
ہربات قانون کے دائرہ میں رہ کر بہتر انداز میں  
کہہ سکتیں گے۔“

ریٹائرڈ جنگ جناب ایم حسیب نے اپنی

طریقے پر انجام دے سکتیں گے، اگر ہم ملک کے  
قوانين سے واقف نہیں ہوں گے تو قدم قدم پر  
مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

مولانا عقیق احمد بستوی (سکریٹری مجلس  
تحقیقات شرعیہ) نے اپنی افتتاحی گفتگو میں مجلس  
کے قیام کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا  
کہ: ”یہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسني ندوی  
کی بالغ نظر کی دلیل ہے کہ انہوں نے ۱۹۶۳ء  
میں نئے مسائل پر اجتماعی غور و خوض اور فیصلہ کے  
لیے ایسا دارہ قائم کیا جس میں ملک کے نامور علماء  
شامل رہے۔“ مولانا نے مزید کہا کہ: ”مجلس کی  
دیگر سرگرمیوں کے ساتھ ایک منصوبہ یہ بھی تھا کہ  
دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبہ تخصصات کے  
لیے قانون کی تعلیم کا نظام بنایا جائے، الحمد للہ آج  
یہ خواب پورا ہو گیا۔“ مولانا نے اس موقع پر اس  
خواہش کا بھی اظہار کیا کہ: ”لکھنؤ شہر میں متعدد  
لاعے کا لجر ہیں، وہاں کے طلبہ کے لیے مسلم فیلی لاء  
کی تعلیم کا کوئی نظام بنایا جائے گا، اسی طرح جلد  
ہی وکلاء کے لیے ایک کورس شروع کیا جائے گا  
جس میں انہیں شرعی قوانین سے روشناس کرایا  
جائے گا۔“ نیز یہ بھی کہا کہ: ”ندوۃ العلماء کا یہ  
اقدام بہت اہم ہے، دیگر مدارس والے بھی اس  
سے فائدہ اٹھائیں گے۔“

صدر شعبہ قانون، ائمگرل یونیورسٹی لکھنؤ

”شریعت کا قانون ایک عالمی قانون ہے،  
دنیا نے اس کی حقیقت سمجھی ہوتی تو آج ہر جگہ بھی  
قانون نافذ ہوتا، شرعی قوانین چوب خشک کی طرح  
نہیں بلکہ اس میں زمانے کے تقاضوں کی پوری  
رعایت کی گئی ہے۔“ مذکورہ خیالات کا اظہار مجلس  
تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء کے زیر اہتمام علامہ  
حیدر حسن خان ٹوکی ہال میں ۱۹ جولائی ۲۰۲۳ء  
کی شام کو لیگل لٹریسی کورس (برائے شعبہ  
تخصصات دارالعلوم ندوۃ العلماء) کی افتتاحی  
تقریب میں حضرت مولانا بلاں عبدالحی حسني  
ندوی ناظم ندوۃ العلماء نے فرمایا۔ حضرت مولانا  
نے اس کورس کے شروع ہونے پر خوشی کا اظہار  
کرتے ہوئے کہا کہ: ”اس کورس کی بڑی  
ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ مدارس کے طلبہ کے  
لیے ملکی قانون سے واقفیت کا کوئی نظام بنایا  
جائے، آج الحمد للہ قانون کی بنیادی معلومات پر  
مشتمل یہ کورس ندوۃ العلماء کی طرف سے شروع  
ہو رہا ہے، بڑی خوشی کی بات ہے۔ اس کورس سے  
جہاں ایک طرف طلبہ مستفید ہوں گے وہیں  
دوسری طرف یہ ملک و ملت کے لیے طاقت و قوت  
کا ذریعہ بنے گا۔“ حضرت مولانا نے اس پہلوکی  
طرف بھی توجہ مبذول کرایا کہ: ”اس کورس کا  
مقصد و کیل بنانہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ سے  
خصوصاً قفقہ و قضا سے وابستہ علماء اپنا کام بہتر

اخصاص کے طلبہ بڑی تعداد میں شریک رہے۔ واضح رہے کہ لیگل لٹریسی کورس مولانا عتیق احمد مطابق ملت کی رہنمائی کی ہے، طلبہ ندوہ کو قانون کی بنیادی باتوں سے واقف کرنے کے لیے اس نئے کورس کی شروعات اسی نظریہ کی عکاس ہے۔

مولانا ظفر الدین ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء) کی تلاوت سے تقریب کا آغاز اور مولانا عبدالحی حسni ندوی کی دعاء پر اختتم واری محاصرہ کی شکل میں پورے سال ایک ڈپلوما کورس کا نظام بنایا ہے۔



ہے جس نے ہمیشہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق ملت کی رہنمائی کی ہے، طلبہ ندوہ کو قانون کی بنیادی باتوں سے واقف کرنے کے لیے اس نئے کورس کی شروعات اسی نظریہ کی عکاس ہے۔

مولانا ظفر الدین ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء) کی تلاوت سے تقریب کا آغاز اور مولانا عبدالحی حسni ندوی کی دعاء پر اختتم واری محاصرہ کی شکل میں پورے سال ایک ڈپلوما کورس کا نظام بنایا ہے۔

تاثراتی گفتگو میں متعدد بنیادی قانون ہند کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ: ”قانون نے شہریوں کو حقوق بھی دیے ہیں اور اختیارات بھی، ہمارے اختیارات لا محدود نہیں ہیں، لہذا ایک با اختیار شہری کے لیے قانون ہند کا علم ہونا لازمی ہے۔“

انہوں نے یہ بھی کہا کہ: ”میں مجلس کی جانب سے قانون سے متعلق مذاکروں میں شریک ہوتا رہتا ہوں، یہ سرگرمیاں بڑی اہم اور بروقت ہیں۔“

پروفیسر عتیق احمد فاروقی نے اپنے تاثراتی کلمات میں نشست میں شرکت پر خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ: ”یہ لیگل لٹریسی کورس آپ طلبہ کے لیے بہت مفید ہے، آپ اس سے خوب فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں، یہ ذمہ داران ندوہ کا ایک تاریخ ساز فیصلہ اور خوش آئند قدم ہے۔“

نشست کے اخیر میں مولانا کمال اختر ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے حاضرین و عماں دین شہر کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ: ”علماء اور عصری تعلیم سے وابستہ افراد کے درمیان خلچ کا پانچ ندوۃ العلماء کے مقاصد میں سے ہے اور اس طرح کی سرگرمیاں دراصل اسی مقصد کی تکمیل کے لیے ہیں۔“

تقریب کی نظمت کرتے ہوئے مولانا منور سلطان ندوی (رفیق مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء) نے سب سے پہلے شرکاء کا استقبال کیا، پھر کہا کہ: ”ندوی برادی کے لیے بڑی خوشی اور اعزاز کی بات ہے کہ گذشتہ چند برسوں سے ابنائے ندوہ شعبہ قانون کی طرف توجہ دے رہے ہیں اور فی الوقت ملک بھر میں ندوی ماہرین قانون امت و ملت کی خدمات انجام دے رہے ہیں، کیوں کہ ندوۃ العلماء ایک ایسی تحریک کا نام

## قدم و جدید علوم و فنون

مولانا سید جعفر مسعود حسni ندوی

آج ضرورت ہے جدید علوم کو خدا کے نام سے جوڑنے اور قدیم علوم سے وابستہ افراد میں اخلاص پیدا کرنے اور ان میں رضاۓ الہی کے جذبہ کو فروغ دینے کی، یہی اس وقت علمی دنیا کی سب سے بڑی خدمت اور انسانی دنیا کی اہم ترین ضرورت ہے۔

وقت کی تیز رفتاری، کاموں کا ہجوم، مسائل کا انبار، امراض کی کثرت، جلسوں کی ہنگامہ آرائی، کمر توڑ مہنگائی اور معماں کے لیے تگ و دونے طالب علم کو بالکل اٹوبانا کر رکھ دیا ہے، ایک زمانہ تھا کہ دوران تعلیم ٹیوشن کا تصور بھی محل تھا، طالب علم کا سارا وقت صرف علم کے حصول میں صرف ہوتا تھا، ہر فکر سے وہ آزاد اور ہر معاملہ سے وہ بے نیاز رہتا تھا، لیکن آج حالات بالکل بدل چکے ہیں، اب طالب علم کو مختلف کاموں کیستھے اپنا علمی سفر جاری رکھنا پڑتا ہے، حالات کی ان تبدیلیوں کو دیکھتے ہوئے تعلیم کے جدید وسائل و ذرائع سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے، جدید نظام تعلیم کی یہ خوبی ہے کہ وہ وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ رہتا ہے اور حالات کے پیش نظر اپنے نظام میں تبدیلی لا کر اس کو مفید سے مفید تر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

وہ علوم و فنون جواب اپنی افادیت کھوچکے ہیں، صرف قدیم ہونے کی وجہ سے ان کو نصباب میں شامل کر کے طلبہ کو ان جدید علوم و فنون سے جو اس وقت زمانہ کی ضرورت بن چکے ہیں، محروم کر دینا گویا طلبہ کو اپنے ہی معاشرہ میں اجنبی بنا دینا ہے، زبان، ثقافت، حالات و مسائل سے واقفیت اور معلومات عامہ کو بالکل اپڈیٹ (Update) ہونا چاہئے قدیم نظام تعلیم کے پروردہ اس وقت تک اپنی دینی، دعویٰ و اصلاحی ذمہ داری انجام نہیں دے سکتے اور نہ اس وقت تک قوم و ملت کی قیادت و رہنمائی کا کردار ادا کر سکتے ہیں، جب تک کہ وہ اس دور کے رائج علوم سے بہرہ ورنہ ہوں، لہذا ضرورت کے مطابق، مقصد سے ہم آہنگ اور مشن کی تکمیل کی راہ میں معاون جدید علوم و فنون کو اختیار کرنا گزیر ہے۔



# سوال و جواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

درمیان تقسیم ہو گا اور جو حرام ہو وارثین ان کے لینے کا حقدار نہیں بلکہ اگر مال حرام کے مالک کا علم ہو تو اصل مالک کو لوٹانا ضروری ہے، اگر مالک کا علم نہ ہو تو ضرور تندوں پر اس کا صدقہ کر دینا لازم ہے: ”وَ هُوَ حَرَامٌ مُطْلَقاً عَلَى الورثة سواء علِمُوا أَبْرَابِهِ أَوْ لَا فَإِنْ عَلِمُوا أَبْرَابِهِ رَدُّوهُ عَلَيْهِمْ وَالا تَصْدِقُوا بِهِ۔“

[الدر المختار علی رواجاتر: ج ۹/ ص ۵۵۸]

**سوال:** ایک شخص نے اپنے خاص رشتہ دار کو اپنا مکان زبانی و تحریری وصیت کر دی، اور حقوق ملکیت اپنے انتقال کے بعد لکھ دیا، اب وہ شخص اپنی زندگی ہی میں اس وصیت ختم کرنا چاہتا ہے تو کیا وصیت سے رجوع کا حق ہو گا؟

**جواب:** شرع اسلامی میں اس کی گنجائش ہے کہ اگر کوئی وصیت کرنے کے بعد وصیت سے رجوع کرے تو وصیت ختم ہو جائیگی: ”وَلَهُ الْمَوْصِي الرَّجُوعُ عَنْهَا۔“

[الدر المختار علی رواجاتر: ج ۱۰/ ص ۳۵۰، کتاب الوصایا]

**سوال:** ایک شخص کے روپے بینک میں جمع تھے، اس نے یہ تحریک لکھ دی کہ میرے انتقال کے بعد یہ روپے میری بیوی کے ہوں گے، شخص مذکور کا انتقال ہو گیا ہے، ان کی ماں باحیات ہیں، کیا بینک میں جمع روپے میں ماں حقدار ہو گی یا نہیں؟

**جواب:** اگر شخص مذکور نے روپے پنپے نام بینک میں جمع کیا، اور بیوی کے حق میں یہ لکھ دیا ہے کہ یہ روپے بیوی کو ملے تو یہ بیوی کی رقم نہیں ہو گی، بلکہ مال متروکہ میں شامل ہو گی اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں بیوی ایک چوتھائی اور ماں ایک تہائی کی حقدار ہو گی۔

[فتاویٰ ہندیہ، کتاب الفرائض: ج ۶/ ص ۳۲۹]

کسی کا وارث نہیں ہو گی اس لیے کہ ایک ملت نہیں ہے۔

[شریفیہ: ص ۱۷۱]

**سوال:** ایک شخص کا انتقال ہو گیا ہے، ان کے ورش میں دو لڑکے ہیں، مرحوم نے ایک زمین ترکہ میں چھوڑی ہے، وارثین میں ایک بھائی چاہتے ہیں کہ یہ زمین والد مرحم کے نام مسجد میں دیدیں، کیا کوئی وارث جو گھر کا ذمہ دار ہو وہ زمین مسجد میں دے سکتا ہے؟

**جواب:** جو زمین مال متروکہ میں ہو اور وہ ورش کے

درمیان مشترک ہو تو تمام ورش کی اجازت کے بغیر کوئی وارث اسے مسجد میں نہیں دے سکتا: ”لَا يجوز لأحد أن يتصرف في نصيب الآخر إلا بأمره“ (کوئی وارث دوسرا وارث کے حصہ میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا)۔

[فتاویٰ ہندیہ: ج ۲/ ص ۳۰۱]

**سوال:** ایک شخص کا انتقال ہو گیا ہے، ان کے وارثین موجود ہیں، کیا کوئی وارث دیگر ورش کی اجازت کے بغیر مرحم کے مال متروکہ میں سے برائے ایصال ثواب فقراء پر خرچ کر سکتا ہے؟

**جواب:** اگر مال مشترک ہو، تقسیم شدہ نہ ہو تو تمام ورش کی اجازت کے بغیر تھنا کوئی وارث تصرف نہیں کر سکتا کارخیر ہی کیوں نہ ہو۔

**سوال:** اگر کوئی شخص مال حرام چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوا ہو کیا وارثین اس حرام مال کو مال متروکہ سمجھ کر آپس میں تقسیم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

**جواب:** جو مال حلال ہو وہ وارثین کے

**سوال:** ایک مسلم خاتون نے اپنا نکاح گھر والوں کی مرضی کے خلاف ایک غیر مسلم سے کر لیا، باب پ زندگی بھرنا راض رہے اور اپنے گھر آنے نہیں دیا، والد کا انتقال ہو گیا ہے، اس نے کافی جانداریں چھوڑی ہیں، تمام بھائی بہنوں نے جانداریں تقسیم کر لی ہیں، لیکن اس خاتون کو نہیں ملی جس نے غیر مسلم سے نکاح کر لیا ہے، کیا وہ باب کی جانداری میں حصہ پائیگی؟

**جواب:** کسی مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم سے جائز نہیں ہے، اس لیے یہ نکاح ہی نہیں ہوا ہے، کسی مسلم خاتون کا غیر مسلم کے ساتھ رہنا غلط گناہ اور آخری درجہ کی بے حیائی ہے، اسے فوراً قوبہ کر کے اپنے گھر آ جانا چاہیے، بھائیوں اور دیگر اعزہ کی ذمہ داری ہے کہ اسے فوراً اس برے ماحول سے

لے آئیں ورنہ عند اللہ مو اخذہ ہو گا، اگر اس خاتون نے اپنا نہ ہب تبدیل نہیں کیا ہے اور وہ اب تک مسلمان ہیں تو اپنے والد مرحم کی جانداری میں حصہ پائے گی، خدا نخواستہ اگر نہ ہب اسلام سے پھر گئی، خدا نخواستہ اگر نہ ہب مرتد ہو گئی ہے تو والد مرحم کی متروکہ جانداری میں حصہ نہیں پائے گی، کیونکہ ارتادوکی وجہ سے وارث حصہ سے مرحم ہو جاتا ہے: ”أَمَا الْمُرْتَدُ فَلَا يَرِثُ مَنْ أَحَدَ لَا مِنْ مُسْلِمٍ وَلَا مِنْ مُرْتَدٍ“

**سوال:** مثلاً المرتدة لاترث من أحد لأنها ليست ذات ملة“ (مرتد کسی کا وارث نہیں ہوتا نہ مسلمان کا اور نہیں مرتد کا، اسی طرح مرتدہ عورت



**NADWATUL-ULAMA**  
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW  
226007 U.P.(INDIA)



**ندوۃ العلما**  
پوسٹ بائس، ۹۳، ٹیکو مرگ، لکھنؤ  
۲۲۶۰۰۷ یو پی (ہند)

باسم اللہ تعالیٰ

Date 10th August 2023

تاریخ ۱۰ اگست ۲۰۲۳ء

## اپیل برلے تعمیر اسٹاف کوارٹر

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی و دینی خدمت میں معروف ہے، دارالعلوم اور اس کی شاخوں میں علمی و تعلیمی امور حسب معمول جاری ہیں، اساتذہ و کارکنان ندوۃ العلماء اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ و اسٹاف کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں ان کی رہائش کی مزید گنجائش نہیں رہی تو احاطہ دارالعلوم کے علاوہ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء (سکروری) میں اسٹاف کوارٹر اور معہد سے قریب مستقل طور پر ندوہ کالونی کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، مگر اب بھی اسٹاف کے لیے کوارٹر اس کی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی، اس صورتِ حال کے پیش نظر پہلے ندوہ کیمپس سے متصل محلہ مکارم نگر میں اسٹاف کوارٹر تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو الحمد للہ اہل خیر کے تعاون سے مکمل ہو گیا۔ اب کیمپس کے اندر ہی مزید کوارٹر کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے پر شروع کرادی گئی ہے، زیر تعمیر یہ عمارت تین منزلہ ہو گی، جس میں ۹ فلیٹی کوارٹر ہوں گے، اس کی تعمیر پر مبلغ/- 1,15,00,000 (ایک کروڑ، پندرہ لاکھ روپے) کے خرچ کا تخمینہ ہے جو ان شاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہو گا۔  
ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔  
ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہ اہم کام تکمیل کو پہنچے گا، و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔

(مولانا) جعفر مسعودی ندوی

(مولانا) سعید الرحمن عظیمی ندوی

(ڈاکٹر) محمد سالم صدیقی

(مولانا) تقي الدین ندوی

ناظر عالم ندوۃ العلماء

مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء

معتمدال ندوۃ العلماء

معتمد تعلیم ندوۃ العلماء

نوت: چیک/ڈرافٹ پر صرف لکھیں:

**NADWATUL ULAMA**

اور اس پرچھ پر ارسال کریں

**NIZAMAT NADWATUL ULAMA**

Nizamat Office, Nadwatul Ulama,  
Tagore Marg, Lucknow - 226007 (U.P.)

محلیان کرام! برآ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91 - 8736833376

پر مطلع فرمانے رحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہو گی۔

فجزاکم اللہ خیر الجزاء

**NADWATUL ULAMA**

STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW  
(IFSC CODE : SBIN0000125)

**تعمیرات**

**A/c. No. 1086 3759 733**

ONLINE DONATION LINK

<https://www.nadwa.in/donation/>

website : [www.nadwa.in](http://www.nadwa.in)

Email : [nizamat@nadwa.in](mailto:nizamat@nadwa.in)

نوت: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت اکٹمیکس سے مستثنی ہو گا